دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مَطبُوعَاتِ مُؤتَمَرُ المُصَنِّفِین

کتاب	نوعیت	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ مجلد ترتیب و تحشیہ : مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر : مولانا سمیع الحق	"	" "	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتبہ : مولانا سمیع الحق	"	" "	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت مرتبہ : مولانا سمیع الحق	"	" "	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت مرتبہ : مولانا سمیع الحق	"	" "	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہل حق (مجلد) ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی	"	" "	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	"	" "	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروان آخرت (مجلد)	"	" "	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	"	" "		
۱۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	"	" "	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	"	" "	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	"	" "	—	—
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	"	" "	—	—
۱۵۔ روسی الحاد	"	" "	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاع امام ابوحنیفہؒ (مجلد)	"	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات مجلد	"	" "	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات (مجلد) جلد دوم امام ابو یوسفؒ ۔ امام محمدؒ	"	" "	۲۷۲	۵۶ روپے

کتاب	نوعیت	مصنف	صفحات	قیمت
۱۹۔ ارباب علم و کمال اور پیشۂ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست	"	" "	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطبات حقانی (جلد اول)	"	" "	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوین حدیث	"	" "	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	"	" "	—	—
۲۴۔ مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	"	" "	۳۲	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	"	" "	—	—
۲۶۔ دَ امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	"	" "	—	—
۲۷۔ کشکول معرفت	"	" "	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علی مشکلات الطحاوی	"	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	"	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	—	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	"	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشادات حکیم الاسلامؒ	"	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	"	" "	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاع ابوہریرہؓ	"	" "	—	—
۳۶۔ افادات حلیم	"	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیات صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبویؒ)	"	" "	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	"	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مُؤتَمَرُ المُصَنِّفِین ○ دارالعُلوم حقّانیّہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کا مصدقہ اشاعت

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

جلد — ۲۹
شمارہ — ۴/۵
رجب/شعبان — ۱۴۱۴ھ
جنوری/فروری — ۱۹۹۴ء

بانی
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم - شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۴۳۵ / ۳۴۰
کوڈ نمبر - ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/- روپے فی پرچہ ۱۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۲۲/- پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ آغاز

○ پارلیمنٹ کا ایوان اور بیمار زبانوں کا ہذیان

○ امریکی فوج کے سومنات میں اذان و اقامت کی گونج

○ ہے نزع کے عالم میں یہ تہذیب جواں مرگ

قومی پریس میں گزشتہ ہفتے پارلیمنٹ میں ممبرانِ اسمبلی کی غیر پارلیمانی کاروائی سے پاکستانی قوم کی جو رسوائی اور جگ ہنسائی ہوئی خدا کرے کہ انہیں بھی اس کا احساس ہو جنہیں قوم نے اپنا نمائندہ چن کر اپنی عزت بڑھانے، اپنا وقار منوانے اور اپنا مستقبل بنانے کے لیے قومی اسمبلی میں بھیجا ہے جو پوری قوم کا مغز خلاصہ اور جوہر ہیں —— جنہیں قومی ترقی، قانون سازی، امن و امان کے قیام، ملک کے نظریاتی اساس کے تحفظ آئین سے وفاداری اور ملکی سالمیت کی پاسداری کرنی چاہیئے تھی وہ چھوٹے بچوں کی طرح ریت کے گھروندوں پر لڑ پڑنے اور بازاریوں کی طرح دھونس دھمکی، دھینگا مشتی، گالی گلوچ اور ہاتھا پائی کا کردار ادا کرنے لگے ہیں اور اور پھر بھی انکا اصرار ہے کہ وہی قومی قیادت کے مستحق ہیں حکومت بنے تو ان کی ہو، سیاست چمکے تو ان کی ہو، وہی قوم کے رہنما، وہی حکمران، وہی سیاستدان، وہی قائد اور وہی رہبر و رہنما ہوں۔

ہمارے نزدیک اس عظیم منصب کی اہلیت کے لیے رجلیت، مردانگی، بہادری، صبر و استقامت اور شائستگی شرطِ اوّل ہے اس عظیم منصب کے وہی اہل ہیں جو صبر کا پیکر ہوں جن کا تحمل (قوتِ برداشت) ایسا ہو کہ وہ پہاڑوں کی طرح ژالہ باری سے بے نیاز اپنے مشن اور موقف پر کھڑے ہوں جن میں شکوہ پہاڑوں کا تحمل زمین کا اور گہرائی سمندروں کی سی ہو۔

اگر ان کی پشت میں خنجر گھونپے جائیں وہ اپنے سے غیر ماحول میں نفرتوں کی آماجگاہ بن جائیں تب اخلاقی اور انسانی شرف و قدر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ زبانوں کی آوارگی پر اُف تک نہ لائیں۔

مگر آج رہنمایانِ قوم و ممبرانِ اسمبلی کی عقلوں کو طاعون چاٹ گیا اور ان کے اخلاق کو سرطان ہو گیا ہے یہ اخلاق کا دیوالیہ اور ملک کے معزز ترین ایوان میں شہدہ پن کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جو لوگ قومی اخلاق اور انسانی اقدار کی مبادیات نہیں جانتے وہی اس قسم کی اوچھی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ہم اسے پارلیمانی زبان یا سیاسی لڑائی ہرگز نہیں قرار دیتے یہ مبتذل باتیں ہیں جو الفاظ کی رعایت سے گویا کھٹی ستے ہیں۔

اگر سب وشتم اور دھینگا مشتی بھی رہنمایان قوم کا سیاسی عمل ہے تو قومی اخلاق کا خدا حافظ؛ مگر اس سے ہرگز کوئی عمدہ فصل تیار نہیں ہوگی زبان کی دشنام سے آلودگی اور سخت و سنگلاخ الفاظ سے قومی معاملات کبھی حل نہیں ہونے جب قومی رہنما بھی جذبات، سفلی حرکات سے مغلوب ہو کر اندھے ہو جائیں جب وہ دماغ کے بجائے پیٹ سے سوچنے لگیں تو پھر ملکی مستقبل بھی خدا کے حوالے؛ ٹھوس پارلیمانی کاروائی، مثبت سیاسی سوچ اور گفتگو، قومی ترقی اور ملکی تعمیر کے لیے مفید ترین قانون سازی پر کون ایسا بدبخت ہے جو نکیر کرے۔
مگر گالی گلوچ، ہاتھاپائی، مارکٹائی اور باہم دست و گریبان ہونا تو ہے ہی مذموم، طعن و طنز بھی کمزور انسانوں کی بیمار زبانوں کا ہذیان ہے —— جس عہد میں اس ذہنیت و کردار کے لوگ اقتدار کے حاشیہ میں ہوں یا پارلیمنٹ کے کسی زاویہ میں، اس عہد کے تاریخ کے ورق زیادہ تر سیاہ ہی رہتے ہیں اور اس سے جو مزاج بنتا اور جو تاریخ رقم ہوتی ہے اس سے قومی اور ملی مزاج کی نفی ہوتی ہے۔

واشنگٹن ۴ دسمبر۔ امریکی محکمہ دفاع میں ۳ دسمبر کو ایک تقریب کے دوران کیپٹن عبدالرشید محمد کو امریکی مسلح افواج کی تاریخ کا پہلا اسلامی چیپلین (CHAPLAIN) امام مقرر کیا گیا عبدالرشید محمد مقامی امام کی حیثیت سے کردار ادا کریں گے امریکی فوج نے مسلمان چیپلین (امام) کے تقرر کے سلسلے میں خاصے عرصے تک کام کیا ہے ج ایک منصوبے کی تکمیل ہوئی ہے فوج میں فی الوقت ایک امام ہے لیکن ابھی مزید تقرر کیا جائے گا امریکی بحریہ یں بھی جلد پہلے امام کا تقرر کیا جائے گا عبدالرشید محمد سنی مسلمان ہیں اور ۱۹۷۸ء سے امام کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ (فکر و نظر ۵ دسمبر امریکی شعبہ اطلاعات اسلام آباد کا خبرنامہ)
بالآخر فاتح تہذیب اور اس کے علمبرداروں نے دین اسلام کی حقیقت پر مبنی اور ابدی و آفاقی تعلیمات کے سامنے عملاً اپنی شکست تسلیم کر لی۔ مغربی سوسائٹی میں زوال و انحطاط اور ان کے ذہنی و فکری افلاس کی ابتدائی علامتیں اور آثار واضح ہونے لگے ہیں اس کے صالح اور تعمیری اجزاء کے بجائے انسانیت دشمن اور تخریبی اجزاء اب کسی سے اوجھل نہیں رہے تہذیبِ مغرب کے قلب و نظر کا فساد جو اس کی خصوصیت و امتیاز ہے درحقیقت اس کی روح کی آلودگی و ناپاکی کا مظہر ہے ؎

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس کی مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

جس کا نتیجہ ان کے باطن اور افراد کے قلوب کی وہ بے نوری اور زندگی کی وہ بے کیفی ہے جو اس تہذیب پر بُری طرح مسلط ہے اس۔ اس کو ایک مشینی و مصنوعی رنگ دے کر روحانی قدروں سے اس کا رشتہ

منقطع اور خدا کی رحمت سے دور کر دیا۔

جس تہذیب کی بنیاد لادینیت اور خمیر مذہب دشمنی تھی۔ جس کو مذہب و اخلاقیات سے بیر تھا جو روحِ ابراہیمی سے متنفر، مادیت کے معبودانِ باطل کی پرستار اور ایک نئے بت خانے کی معمار تھی۔ ایک امام کے تقرر سے اب وہ سومنات اذان و اقامت سے گونج گا اور اس کے ایک ایک ذرہ سے اعلاء کلمۃ الحق کے نئی عمارتیں کھڑی کی جائیں گی۔

جس تہذیب کا شیوہ، غارت گری اور آدم دری تھا جس کا مشغلہ و مقصد، تجارت اور سوداگری تھا اس دنیا کو اس سے امن و سکون اور بے غرض محبت اور خلوص کی دولت نصیب ہونے والی ہے کہ امام کے تقرر نماز کے قیام کے اہتمام سے اس تہذیب جدید کا نظام تہ و بالا ہونے والا ہے۔

تہذیب مغرب اگرچہ اپنی عمر اور تاریخ کے لحاظ سے جواں سال و نو عمر ہے مگر اپنے غلطیوں، فرسودہ ڈھلپے اور بنیادی کمزوریوں کی وجہ سے عالم نزع میں گرفتار اور مکمل زوال کے لیے تیار ہے ؎

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ

مادی لحاظ سے بظاہر مغربی تہذیب کامیاب تہذیب ہے مگر روحانی پہلو سے دیوالیہ بن چکی ہے اسی چیز نے مغربی نوجوانوں کو ہپی بنا لیا ہے اور وہ مشینی زندگی اور مادی تہذیب کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں بالآخر امریکی حکام اور ارباب بست و کشاد نے بھی اس حقیقت کو بھانپ لیا ہے کہ خوشحالی اور تن آسانی کا ہر ساماں مہیا ہونے ہوئے انہیں بھی محسوس ہونے لگا ہے کہ زندگی ضائع ہو رہی ہے ان کے سامنے اب تک زندگی کا کوئی مفہوم اور ہدف ہی نہ تھا۔

موجودہ صنعتی تہذیب اور روس کے زوال کے بعد عظیم سیاسی غلبہ بھی انکو باطنی پریشانی کے سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں کہاں سے آئے ہیں ہمارا پیغام کیا ہے اور بالآخر ہم نے کہاں جانا ہے ـــــ بالآخر انتہائی بے چینی، سرکشی، اضطراب، تلاش بسیار نے ان کو دین سے آزاد، بے نیاز اور بے راہ رکھ رکھ کر مذہب کی طرف جھکا ڈرھا دیا ان کو اپنے سوالوں کا جواب مذہبی تعلیمات اور قواعد و احکام کے احیاء میں ملنے لگا ـــــ جس تہذیب نے دین و اخلاق کی نگرانی اور خوف خدا کی رفاقت کے بغیر تسخیرِ کائنات کا جو نازک سفر شروع کیا تھا اس کی کامیابیوں نے خود اس تہذیب کے وجود و بقا کو خطرہ میں ڈال دیا ہے اور اب وہ خود اپنی آگ میں جل کر خاک ہونے کے مرحلہ میں ہے ؎

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

ہم امریکی فوج میں امام کے تقریر کو نیک فال اور دین اسلام کی فتح سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ "سود و سودا اور مکر و فن" کی یہ دنیا جس کا فرنگی معمار ہے بالآخر دم توڑنے والی ہے اور ایک نئی دنیا، اسلامی دینی اور روحانی دنیا جنم لینے والی ہے ۔

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

(عبدالقیوم حقانی)

عنقریب منظرِ عام پر آ رہی ہے

حدیث کی جلیل القدر کتاب آثار السنن للعلامہ محمد بن علی النیموی کی مبسوط، مفصل اور مدلل اردو شرح ـــ محقق العصر مولانا عبدالقیوم حقانی کی آثار السنن سے متعلق پانچ سالہ تدریسی تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ

اردو زبان میں پہلی شرح منصہ شہود پر

چند خصوصیات

○ علمِ حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار ○ مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح ○ معرکۃ الآراء مباحث پر مفصل اور معتدلانہ کلام ○ محدثین اور سلفِ صالحین کے معارف و نکات کا مجموعہ ○ علمِ حدیث کے نادر مباحث کا عظیم ذخیرہ ○ ائمہ متبوعین کے استنباطات اور حنفیت کا دائرۃ المعارف ○ دیانت دارانہ تجزیے، تحقیق اور بہترین وجوہ ترجیح ○ انداز بیان نہایت عام فہم سادہ سلیس، اعراب، ترجمہ، مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد

کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ طلباء اور علماء کرام کیلئے بہترین تحفہ

ملنے کا پتہ

ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

ذاکر حسن نعمانی

ختم بخاری کی تقریب (۶ جنوری ۱۹۹۴ء) سے مولانا سمیع الحق کا خطاب

افغانستان میں حالیہ خانہ جنگی جہاد نہیں فساد ہے — افغان قیادت سے جنگ بندی کی اپیل فضلائے حقانیہ کی ذمہ داریاں مستقبل کا لائحہ عمل اور عالم اسلام کے مسائل کا حل

میرے قابل صد احترام علماء کرام دورۂ حدیث سے فارغ التحصیل طلباء عزیز اور معزز مہمانانِ گرامی! آپ حضرات کی تشریف آوری کا ایک مقصد تو ختم بخاری شریف میں شرکت ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کرام کے سروں پر دست شفقت رکھنا ہے اور جو علم کے زیور سے آراستہ ہوئے اُن کو ذمہ داری سونپنی ہے۔ یہ دستار بندی درحقیقت اساتذہ کرام اور مشائخ کی طرف سے ان فضلاء پر اعتماد ہے۔ ایک اعلان ہے کہ یہ فاضل اب اس منصب کا اہل ہے آپ کی یہ شرکت عام جلسوں کی طرح نہیں۔

بخاری شریف کا مقام

بخاری شریف کا بہت بڑا مقام ہے روئے زمین پر قرآن مجید کے بعد تمام کتب میں مقدس اور صحیح ترین کتاب ہے قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ کو اپنی کتاب کہا ہے اور بخاری شریف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کتاب کہا ہے۔

امام مروزیؒ مراقبہ

امام مروزی بیت اللہ شریف میں تشریف فرما تھے۔ آنکھیں بند کر کے مقام ابراہیم کے قریب مراقبہ کیا۔ مراقبے کی حالت میں امام مروزیؒ سے حضورؐ نے فرمایا کہ تمام مذاہب کی کتابیں دیکھتے ہو میری کتاب کیوں نہیں دیکھتے۔ امام مروزیؒ نے کہا قربان جاؤں یا رسول اللہؐ! آپ کی کون سی کتاب ہے حضورؐ نے فرمایا الجامع الصحیح للبخاری۔ اس تقریب میں ہماری شرکت ایک طالب علم کی حیثیت سے ہے۔

طلبِ علم حدیث کی فضیلت

اس لیے آئے ہیں کہ ایک حدیث سنیں۔ اور حضورؐ فرماتے ہیں من سلك طریقا یبتغ فیہ علماً سھل اللہ لہ طریقاً الی الجنۃ۔
جو شخص علم کی طلب کے لیے راستہ طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ جو کوئی گھر سے بیٹھک سے دکان سے گاؤں سے شہر سے یا کہیں سے بھی پیدل یا سوار ہو کر آیا ہے وہ اس وقت طالب علم ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کا چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا۔

عظمتِ حدیث

ان کی اس عظیم کتاب کی حدیث سننے آپ آئے ہیں حدیث معمولی شئے نہیں۔ ہم اس کی قدر نہیں جانتے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے دس سال آپؐ کی خدمت میں گزارے۔ حضورؐ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا اور بے شمار احادیث آپؐ سے سنیں۔ اور دس سال تک سنتے رہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد کسی سے ایک حدیث سُنی۔ اس سے پوچھا یہ حدیث آپ نے کس سے سنی ہے جواب ملا کہ فلاں صحابی سے۔ ابو ایوب انصاریؓ کی تمنا پیدا ہوئی کہ یہ حدیث براہ راست سُننی چاہیئے اس صحابی سے۔ حالانکہ خود وہ حضورؐ سے سالہا سال تک احادیث سُن چکے ہیں۔ سند عالی کرنے کے لیے اس صحابی کی طرف جانے کا قصد کیا جو مصر میں مقیم تھے بر براعظم افریقہ میں ہے اس زمانے میں سفر پیدل اور اونٹوں کے ذریعے ہوتا تھا۔ آپ نے تقریباً چالیس دن تک مسلسل سفر کیا۔ اسی صحابی کو پتہ چلا کہ ابو ایوب انصاریؓ تشریف لائے ہیں آپ نے اس سے فرمایا کہ بس آپ سے یہ حدیث سُن کر واپس جانا چاہتا ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے کہ واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون عبدہٖ حدیث سُن کر فوراً واپس ہوتے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں ایک ایک حدیث کا کتنا مقام تھا۔ آپ حضرات نے بھی بخاری شریف کی ایک حدیث سننے کی یہ بڑی سعادت حاصل کی۔

ختم بخاری کی فضیلت عالم اسلام کے مسائل اور دعا

بخاری شریف کے ختم میں شرکت تمام تکالیف اور پریشانیوں کا علاج بھی ہے۔ آج عالم اسلام بہت مشکل مسائل سے دوچار ہے۔ بیماریاں قحط سالی اور خانہ جنگیاں عام ہیں آج ان تمام مسائل کے حل کے لیے خشوع وخضوع اور اس یقین کے ساتھ دعائیں مانگیں گے تو ضرور قبول ہوں گی۔ ایک بہت بڑے عالم اور محدث نے ایک سو بیس مرتبہ اس کا تجربہ کیا ہے کہ ختم بخاری میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جب بھی ناقابل حل مسئلہ درپیش آتا تو اس کے لیے ختم بخاری کراتے اور دعا مانگتے اللہ تعالیٰ وہ مسئلہ حل کر دیتے۔ بہرحال فاضل اور فارغ ہونے والے کا ختم ہے تو یہ ایک ختم نہیں بلکہ ساڑھے تین سو ختم ہیں۔ اس موقع سے آج فائدہ اٹھایا جائے اللہ یقیناً اس کا اجر دیں گے۔

فضلاء کی ذمہ داریاں

میرے بھائیو! آپ خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ حضورؐ کے وارث بن گئے۔ اس سے بڑا کوئی منصب نہیں کروڑپتی قارون کا وارث ہے اور وزارت ومنصب ہامان کی وارثت ہے کلنٹن وغیرہ فرعون کے وارث ہیں اور آپ الحمد للہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔

حفظ القرآن جن بچوں نے قرآن حفظ کیا ہے اُن کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنائیں جائیں گے۔ جس کی چمک سورج اور چاند سے زیادہ ہوگی۔ اس سے بڑی اور کوئی خوشی آپ کے لیے نہیں۔ آپ کو اور آپ کے متعلقین اور رشتہ داروں کو ہم مبارک باد دیتے ہیں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آج آپ زندگی کی ایک عظیم مسرت اور خوشیوں سے ہم کنار ہوئے۔

احساس ذمہ داری لیکن ذمہ داری بھی آپ کی زیادہ ہے آج آپ ایک نازک موڑ پر کھڑے ہیں آپ فارغ نہیں ہوئے بلکہ آپ کی ڈیوٹی لگ گئی اب تک دارالعلوم کی ذمہ داری تھی۔ آپ قیام وطعام سے بے فکر تھے۔

والدین نے آپ کو علم کے لیے فارغ کیا تھا۔ انہوں نے فاقے برداشت کیے ہوں گے لیکن آپ کے لیے خرچے بھیجے ہیں۔ کہ آپ دین حاصل کریں۔ لیکن اب بہت بڑی امانت آپ کے سپرد کی جارہی ہے وہ امانت جس کو اٹھانے سے زمین و آسمان نے انکار کردیا تھا اِنا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض و الجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً۔ آپ نے زمین و آسمان سے بھی بڑی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی۔

اللہ کا انتخاب یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ آپ کا اس کے لیے انتخاب کیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا دار، گندی نالی کا کیڑا اور کتا بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن سب جھمیلوں سے نکال کر دین کے لیے مخصوص کردیا۔

چھاؤنی میں تربیت کے بعد محاذ جنگ چھاؤنی میں فوجیوں کو بڑی سخت تربیت دی جاتی ہے ان پر بڑے بڑے خرچے برداشت کیے جاتے ہیں۔ لیکن ٹریننگ کے بعد ان کو محاذ پر بھیجا جاتا ہے۔ دارالعلوم آپ کو ایک اہم مورچہ کی طرف بھیج رہا ہے وہ کفر اور اسلام کی جنگ کا مورچہ ہے دین و اسلام کی اشاعت اور توحید و سنّت کا محاذ ہے۔ ساری دنیا آپ کے خلاف متحد ہے۔ مسلمانوں کے اندر مخالف اسلام فرقے پیدا ہوگئے ہیں منکرین حدیث، قادیانی، ملحدین، رافضی اور بدعتیوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

ان تمام مورچوں کے آپ محافظ ہیں۔ یہ نیند اور غفلت کا وقت نہیں ایسا نہیں کرنا کہ بس کسی مسجد میں گوشہ نشین ہوجائیں۔ امریکہ ہنود یہود اور دیگر کفار سب ایک ہیں۔ آپ روس کی تباہی کے بعد ایک اور بڑے امتحان سے دوچار ہو رہے ہیں۔ روس کی شکست کے بعد پتہ چلا کہ اسلام اور جہاد بہت بڑی قوت ہے اور کسی بھی عالم کا مقابلہ بڑا مشکل ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر اب دشمن نے ایک نیا منصوبہ بنالیا ہے۔ جس کو (NEW WORLD ORDER)

نیو ورلڈ آرڈر کہتے ہیں۔ انہوں نے تہیہ کیا ہے کہ اسلام اور علماء کو مٹا اور دبا دو۔ ان کی سرکوبی کرو۔ یہ مدارس اور جہاد کے خلاف آرڈر ہے۔ مصر شام تیونس اور الجزائر میں جنگ جاری ہے اور کفر کا سیلاب موجزن ہے کہ مسلمانوں کو غلام بنا دیں اس کے مقابلے کی تمام تر ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے۔ علماء کو بنیاد پرست اور دہشت گرد کہتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی بنیاد پرستی اور دہشت گردی پر فخر ہے آرام کا وقت نہیں چاروں طرف سے یلغار ہے مسلح ہو جاؤ دلائل، علم قوت، تحریک اور تنظیم کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑو ؎

مکتب عشق کا دیکھا ہے نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

دارالعلوم حقانیہ کا فیض

کفر آپ کے خلاف متحد ہے۔ زبردست مقابلہ ہے۔ آپ مدرسین، مجاہدین اور داعیین الی اللہ اور روحانی مربیتین ہیں۔ اس کارخانہ (دارالعلوم) سے یہی کمزور اور نہتے طلباء نکلے اور خود کو سپر پاور کہنے والی قوت کو تہس نہس کر دیا۔ سیپارہ بغل میں تھا لیکن جب وقت آیا تو میزائل بھی بغل میں دبا لیے۔ آپ اسمبلیوں میں جائیں گے۔ میدان جہاد میں داخل ہوں گے دنیا کی بقا آپ کی وجہ سے ہے۔ عالم انسانیت آپ کا منتظر ہے۔ دارالعلوم سے آپ دعائیں اور فیض حاصل کرتے تھے۔ اب دارالعلوم آپ کی توجہات اور دعاؤں کا منتظر رہے گا۔ اس میں حکومت کی کوئی امداد نہیں اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے چلاتا ہے۔ اس کے لیے دعائیں مانگتے رہیں اللہ مشکلات کو آسان کر دے اور اس ادارہ کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھے۔ اور اس کے فیض کو اسی طرح ہمیشہ جاری رکھے۔

مسئلہ افغانستان

افغانستان میں امن کے لیے دعا مانگیں کہ اے اللہ اس خانہ جنگی کو ختم فرما۔ جہاد ختم ہو چکا ہے یہ قطعاً جہاد نہیں۔ یہ فساد ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش ہے افغانستان سے عالم اسلام کو بڑے توقعات تھے۔ سب کی نظریں اس کی طرف تھیں کہ افغانستان جب آزاد ہو جائے تو تمام عالم اسلام کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ خلافت اسلامیہ قائم ہوگی اور دنیا کو دکھایا جائے گا کہ خلفاء راشدین کا نظام دیکھو۔ لیکن ہمارے وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوئے۔ آج ہم خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ سر مارے شرم کے جھکے ہوئے ہیں۔ جہاد کے دشمن ہمیں طعنے دے رہے ہیں کہ علماء کو افغانستان سے نکالو کیونکہ وہی فساد کی جڑ ہیں۔ افغانستان میں علماء کے اتحاد کے لیے دعا مانگو اگر متحد نہ ہوئے اور ہدایت کی راہ پر چلے تو اے اللہ افغانستان کو فسادیوں سے پاک کر دے۔ میں بالکل واضح بات کروں گا آپ سب میرے بھائی ہیں آپ بھی میری طرح جذبات رکھتے ہیں، جہاد افغانستان صرف آپ کے گھر کا مسئلہ نہیں بلکہ آپ سے زیادہ پاکستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے اگر آپ نے جہاد کیا ہے تو پاکستان نے بھی جان و مال کی قربانی اور زبردست نصرت کا مظاہرہ کیا ہے پورے ملک کو داؤ

پر لگا دیا ہزاروں افراد نے جان دے دی آج اگر تم فساد اور غداری کرو گے تو پاکستان بھی تم پر لعنت بھیجے گا۔ اور ملت اسلامیہ بھی یہ پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے پوری امت چند غدار لیڈروں کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتی کہ پندرہ لاکھ شہدا کے خون کے ساتھ غداری کی جائے یہ ایسے شہدا ہیں جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان شہدا کا حق ہم چند طالع آزما سیاست دانوں کو نہیں دینے کیا تم یہ حق ان کو دیتے ہو (سب نے یک آواز جواب دیا نہیں)

افغان قیادت سے اپیل

آؤ آج میں اور آپ دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ اے ظالمو! یہ خون ریزی اور فساد بند کردو کیا آپ کو یہ اپیل علماء اور طلباء حقانیہ اور تمام موجود مختلف الخیال افغانیوں کی طرف سے منظور ہے (سب نے جواب دیا ہاں) یہ جنگ بند کردو ورنہ اس کے بعد پھر آخری مرحلہ میں ہم مصالحت کے لیے نہیں بڑھیں گے ہم تو عالم اسلام کے خواہشات کو حل کرنے کی کوشش کریں گے ہم علماء کو جمع کریں گے میں نے سوڈان میں بھی یہ تجویز پیش کی تھی۔ ان لوگوں میں مصالحت نہیں ہوتی۔ ان میں اب باغیوں کی نشاندھی ضروری ہے۔ عالم اسلام کے سرکردہ افراد کو افغانستان میں جمع کیا جائے گا اور وہ تحقیق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے دیکھیں گے کہ کون ظالم ہے اور کون ظالم نہیں۔ جب پتہ چل جائے کہ فلاں ظالم ہے تو اس کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے فضلاء اور عالم اسلام کے سربراہ یہ اعلان کریں گے کہ یہ ظالم اور فاسق ہے اور جہاد کے ساتھ غداری کر رہا ہے۔

کیا آپ سب کو یہ تجویز منظور ہے سب ہاتھ اٹھاؤ کیونکہ موجودہ جنگ افغانستان میں امریکہ اور شیطان کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ ہزاروں بے گناہ افراد اور معصوم بچے موت کا نوالہ بن رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ اقتدار کی جنگ ہے ہم نے تو صلح کرانے میں بہت کوششیں کی ہیں۔ مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی میں لیڈروں کو بٹھایا نهارات کے دو بجے تھے یہ کیسے راہبران اسلام ہیں کہ یہ مسئلہ حل نہیں کرسکتے اور مسلمانوں کے خون کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ اُن مقدس مجاہدین شہداء کی ازواج کے ساتھ کھیل رہے ہیں جن کے بچے یتیم ہوگئے بیویاں بیوائیں بن گئیں۔ اور ان کے بہن بھائی ریگستانوں میں بے یار و مددگار مارے مارے پھر رہے ہیں۔ بوڑھی عورتیں اور بچے گلی گلی بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔ ایسی عورتیں ہیں جن کے چھ چھ جوان بیٹے جام شہادت نوش کرچکے ہیں۔ کیا ان لیڈروں کو ان بے کسوں کا احساس نہیں یہ اپنے بنگلوں اور محلات سے باہر نہیں نکلتے اور اس کھیل کو کیوں ختم نہیں کرتے۔ تاہم غیر جانبدار ہیں ہمارے لیے سب واجب الاحترام ہیں ہم کسی فریق کا ساتھ نہیں دیتے۔

شیخ الحرم کا تبصرہ

میں سوڈان سے واپس عشاء کے وقت مکہ معظمہ پہنچا تو شیخ الحرم جو بہت مخلص عالم اور ولی اللہ ہیں اُن کے گھر گیا ان سے میں نے کہا کہ گزشتہ سال افغان مجاہدین بھی تھے اور آپ کے ہاں روزہ افطار کیا تھا تو اس نے بڑی محبت کے ساتھ معانقہ کیا۔ اور کہا کہ واللہ جرحت قلوبنا

ان افغان لیڈروں تے تو ہمارے دل زخمی کر دیئے ان کے نام میرے سامنے نہ لو ہم تے پندرہ سال کا سہ گدائی لے کر در در سے ان کے لیے بھیک مانگی اور آج ان کی یہ حالت ہے ۔

میرے بھائیو! آپ سب افغانستان کا خلاصہ ہیں، تمام تنظیموں کے مخلص علماء یہاں جمع ہیں دل سے دعا کیجئے کہ اللہ اس خانہ جنگی کو ختم کردے۔ ان کو فسادیوں سے پاک کر دے۔ اللہ نیک لوگوں کی قیادت قائم کردے اور ان مجاہدین اور مہاجرین پر اور آزمائش نہ لائے اور خیر و عافیت کے ساتھ ان کو اپنے وطن واپس پہنچائے آج کفر اور امریکہ خندہ زن ہے۔ ہم نے جو جنگ جیتی تھی فتح کے بعد پھر ہار رہے ہیں، حالانکہ چاہیئے تھا کہ افغانستان کے مسلمان بوسنیا والوں کے لیے ایک اچھی اور صالح قیادت مہیا کرتے۔ ہمیں ان سے یہ امید تھی کہ یہ ہمارے لیے کشمیر اور فلسطین آزاد کریں گے ۔

لیکن آج یہ مجاہد اور نڈر قوم ظالم لیڈروں اور اقتدار کے پجاریوں کے ہاتھوں میں پھنس کے رہ گئی۔ یہ دارالعلوم اور عالم اسلام کا ضیاع ہے کیونکہ دارالعلوم کا جہاد میں بہت بڑا حصہ ہے ابتدائے روز سے اس سال تک مجاہدین تیار کیئے۔ خلوص کے ساتھ دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔ ہمارے پاکستان کو بہت مسائل درپیش ہیں غیر شرعی نظاموں میں جکڑے ہوئے ہیں، حکومت پہ کفار کے طور طریقے مسلط ہیں کفار کے نظام کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی تمیز نہیں۔ تمام عالم اسلام مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ اے اللہ پورے عالم اسلام کو مشکلات سے نکال دے۔ اور ان طلباء کو دنیا کی فکر سے بے غم کردے اور ان کے رزق کا انتظام غیب سے فرما۔ نوکریوں اور ملازمتوں سے ان کو بے نیاز کر دے۔ اے اللہ ان کو آزمائشوں سے دور رکھ اور ان کو اپنے لیے اور اسلام کے لیے مخصوص کر دے۔

یا اللہ! دارالعلوم کو پورے عالم اسلام کیلئے مینارۂ نور و ہدایت بنا جن لوگوں نے اس کی بنیادیں رکھیں تعاون کیا، نصرت کی، چندہ دیا زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں ملک میں ہیں یا بیرون ملک ہیں یا اللہ سب کو اجر جزیل عطا فرما دے ۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

دینی انتہاپسندی اور لادینی انتہاپسندی

بنیاد پرستی اور دینی انتہا پسندی، دونوں ایسے لفظ ہیں کہ مغرب زدہ لٹریچر اور الیکٹرانک میڈیا میں بدترین اور مذموم کردار کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں اور پوری دنیا کو ان کے تباہ کن اثرات سے بچانے اور انسانی اخلاقی اقدار کو اس سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے امریکہ سمیت پوری مغربی دنیا اس کی مذمت میں پیش پیش تو ہے ہی، مگر اسلامی ممالک اپنے آقایانِ ولی نعمت کی خوشنودی میں اُن سے چند قدم آگے ہیں۔

حیرت ہے تو اس بات پر کہ، بنیاد پرستی کی مذمت کرنے والے خود سب سے بڑے بنیاد پرست ہیں اور دینی انتہا پسندی کے خلاف تحریک چلانے والے خود انتہا پسندی کی آخری سرحدوں پر کھڑے ہیں۔

اگر بالفرض دینی احکام میں تصلّب، پختگی، اخلاص، استقامت اور تسلسل، بنیاد پرستی یا انتہا پسندی ہے تو یہ بھی تو اکثر و بیشتر ردّعمل کے طور پر پیدا ہوئی ہے دینی احکام کی پابندی سے آزادی، دین کی تحقیر، دین کو مذاق اور تمسخر کا موضوع بنانا، سرکاری معاملات، عدالت، سیاست، اور قانون سازی سے دینی احکام کا اخراج بلکہ ان کو مذاق و تمسخر کا موضوع بنانا یہ وہ باتیں ہیں جن سے فطری طور پر بنیاد پرستی انتہا پسندی پیدا ہوئی ہے یہی عمل اور ردّعمل کا قانون ہے —— اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دینی احکام سے آزادی، اور بے راہ روی کی انتہا پر پہنچنے والے بھی اس سے آگاہی حاصل کریں۔——

اس سلسلہ کی عجیب ترین بات یہ ہے کہ جو لوگ دینی احکام کی پابندیوں اور دینی قدروں سے اعراض کے معاملہ میں انتہا پسندی کا رویہ اپناتے ہیں۔ انہیں ان مخالفتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جن کا سامنا دین پسندوں اور دین سے والہانہ محبت رکھنے والوں کو کرنا پڑتا ہے حالانکہ اگر انتہا پسندی کی مخالفت ضروری ہے تو دونوں فریقوں کی انتہا پسندی کی مخالفت ہونی چاہیے۔

آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ سارا غصہ ان لوگوں پر نکالا جائے جو اسلام کو گلے سے لگاتے، نمازوں کی حفاظت کرتے، منکرات کے خلاف جہاد کرتے زبانوں اور شرم گاہوں کی حفاظت کرتے، حلال اپناتے حرام سے بچتے اور اسلامی زندگی کی حرص کرتے ہیں جو داڑھیاں بڑھاتے لباس کو نبیؐ کے سنت کے مطابق بناتے اوقات کو لغویات سے بچاتے ہیں یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ ان نوجوانوں کی مخالفت کی جائے جو اللہ و رسولؐ کی

اطاعت میں شب و روز گزار رہے ہیں ۔

مگران لوگوں کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے جو نمازوں کو ضائع کرتے خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور بے راہ روی میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ مرد و زن کے اختلاط کی کوئی پرواہ نہیں کرتے جو نہ معروف کو پہچانتے ہیں اور نہ منکر کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی حقیقت و اصلیت گم کر دی ہے اور اپنے کردار سے معاشرے کا ناسور بن چکے ہیں —— یہ عجیب انصاف ہے کہ جس چیز کا نام دینی انتہاء پسندی رکھ دیا گیا ہے اس کے خلاف تو شور مچایا جا رہا ہے اور اس کی شدید ترین مخالفت کی جارہی ہے مگر لادینی انتہاء پسندی کے بارے میں ساری زبانیں گنگ ہیں اور منہ پر مہر خاموشی لگی ہوتی ہے ——

پھر انصاف کا ایک عجیب منظر یہ بھی ہے کہ جو دوشیزہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈالتی ہے اسے بنیاد پرست یا انتہاء پسند قرار دیا جاتا ہے اس کے پردہ اور دینی لباس کا مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ وہ جو کچھ کر رہی ہے اپنے فکر و ذہن کے مطابق اپنے خدا ہی کو راضی کرنے کے لیے کر رہی ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے اتباع میں کر رہی ہے —— جب کہ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو لباس بے لباسی میں بن سنور کر بلکہ بالکل عریاں حالت میں سڑکوں اور ساحلوں پر نکل کر یا پردۂ سیمیں پر ظاہر ہو کر دعوت نظارہ دیتا ہے۔

مگر اس کی مخالفت میں کوئی آواز نہیں اٹھتی کسی زبان سے کوئی لفظ مذمت نہیں نکلتا، حکومتی سطح پر مراعات انہیں حاصل ہیں معاشرے میں انہیں صاحب عزت گردانا جاتا ہے —— کہا جاتا ہے کہ یہ شخصی آزادی کا مسئلہ ہے دستور نے شخصی آزادی کی ضمانت دی ہے —— تو ہمیں بھی یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے ۔ کہ کیا دستور نے عریانیت فحاشی اور ابتذال کے لیے شخصی آزادی کی ضمانت دی ہے اور جب معاملہ سنجیدگی، اخلاقی اقدار، انسانی مجد و شرف اور دینی اخلاق کے تحفظ کا ہو تو دستور اس آزادی کو سلب کر لیتا ہے ؟

یہاں ہم ایک مختصر تجزیاتی حقیقت کے طور پر اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ آج دنیا میں طرح طرح کی انتہاء پسندیاں پائی جاتی ہیں بعض کا تعلق دین سے ہے بعض کا تعلق سیاست سے ہے اور کچھ کا تعلق فکر، سلوک اور پالیسی سے ہے۔

اگر دینی انتہاء پسندی کو لے لیا جائے اور پوری دنیا کا جائزہ لیا جائے تو مشرق و مغرب شمال و جنوب الغرض کائنات کی دھرتی کے ہر ملک اور بلکہ ہر گوشہ میں یہ انتہاء پسندی پائی جاتی ہے —— پھر یہ غیر مسلم انتہاء پسند اپنی زبان سے، اپنی تحریر سے، اپنے اعمال و افکار سے اپنی کارروائیوں اور کردار سے اپنی انتہاء پسندی کا شب و روز اعلان کرتے رہتے ہیں مگر دنیا کی طرف سے ان کی ایسی مخالفت اور ان کی انتہاء پسندی کی ایسی مذمت نہیں کی جاتی جیسی مخالفت ان لوگوں کی کی جاتی ہے جنہیں مسلم انتہاء پسند کہا جاتا ہے اور نہ ان کی حکومتیں غیر مسلم

انتہا پسندوں کے بارے میں وہ موقف اپناتی ہیں جو آج مسلم حکومتوں نے مسلم انتہا پسندوں کے بارے میں اپنا رکھا ہے۔

ہم یہودی انتہا پسندی، صیہونی حکومت اسرائیل میں دیکھ رہے ہیں جہاں انتہا پسندانہ اہداف، انتہا پسندانہ اعمال اور انتہا پسندانہ اصول و بیانات کے اعلانات، یہودی جماعتیں اور یہودی تنظیمیں بغیر کسی حجاب، اور بغیر کسی شرم و حیا کے علی الاعلان کرتی رہتی ہیں بلکہ اسی یہودی انتہا پسندی ہی کی بنیاد پر اسرائیل کا قیام عمل میں آیا ہے ان کے مذہبی اور دینی صحیفوں اور تلمود نے انہیں یہ تعلیم دی ہے کہ یہود اللہ کے محبوب اور منتخب قوم ہے دوسری قوموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی خدمت میں لگی رہیں غیر یہودیوں کا یہودیوں پر کوئی حق نہیں ہے یہودیوں کے لیے دوسروں کے جان و مال اور وطن و جائیداد کو حلال بنا دیا گیا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

ہم نصرانی انتہا پسندی لبنان میں دیکھتے ہیں جہاں مسیحی رضا کار اور ان کے مددگار ان کو قتل کر دیتے ہیں لاشوں کا مثلہ کرتے ہیں وحشیانہ طور پر عزت و ناموس کو لوٹتے ہیں مصاحف اور دینی کتابوں کو جلاتے ہیں۔ اور ہر اس چیز کی اہانت و تذلیل کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کا اسلامی تشخص ظاہر ہوتا ہے یہی بات افغانستان میں دھرائی گئی، کشمیر میں یہی کچھ ہو رہا ہے فلسطین میں یہی معاملہ ہے بوسنیا میں اسی کردار کی جھلکیاں ہیں اور نو آزاد وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اسی کو برتنے کی مسابقت ہے ——

دنیا نے نصرانیوں کی یہی دینی انتہا پسندی لبنان میں دیکھی ہے ترکوں کے خلاف قبرص میں دیکھی ہے اریٹریائی مسلمانوں کے خلاف حبشہ میں اور فلپائن میں دیکھی ہے۔

دنیا مشرکانہ انتہا پسندی بھی مختلف ملکوں بالخصوص بھارت میں دیکھ رہی ہے جہاں اکثریتی طبقہ کی متعصب جماعتوں کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو دبایا جائے بلکہ انہیں ختم کر دیا جائے اسی لیے کوئی سال کیا، کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جو فرقہ وارانہ ہنگاموں سے خالی ہو۔

پھر حیرت ہے تو اس بات پر، تعجب ہے تو اس عدل پر، کہ وہ لوگ مسلمانوں کو اپنے ممالک میں مرغی اور بکری کی طرح ذبح کرتے اور پیاز و ٹماٹر کی طرح کاٹ رہے ہیں جو اپنے دل کی نرمی اور رقت کے نام پر گائے بکری بلکہ مرغی تک کے ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں اس لیے کہ ان کے اندر روح ہوتی ہے مچھروں اور کیڑوں کے مارنے والی دوائیوں کو بھی استعمال نہیں کرتے اس لیے کہ کیڑے مکوڑوں اور مچھروں میں بھی روح ہوتی ہے چوہوں کو بھی ان کے ہاں کھلی چھوٹ ملتی ہے اور وہ ٹنوں گیہوں کھا جاتے ہیں وہ ان سے بھی تعرض نہیں کرتے اس لیے کہ ان کے اندر بھی روح ہوتی ہے لیکن تنہا ان کے نزدیک مسلمان ہی ایسے ہیں جن کے اندر چوہوں، مچھروں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح بھی روح نہیں ہے ؎

براین عقل و دانش بباید گریست

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

اسلامی شریعت کی معقولیت و سدا بہاری

نوٹ: یہ خطبۂ صدارت مولانا محمد شہاب الدین ندوی نے اسلامک لاء کونسل کے پہلے کنونشن منعقدہ بنگلور میں بتاریخ ۲۸/نومبر ۱۹۹۳ء کو پیش کیا۔ یہ کونسل علماء و وکلاء اور صحافی و دانشور حضرات پر مشتمل ہے جو ہندوستان میں تحفظ شریعت نیز اسلامی قانون کی معقولیت و برتری ثابت کرنے اور برادران وطن کے شکوک و شبہات بذریعہ لٹریچر دور کرنے کی غرض سے قائم ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم آب و گل میں دو قسم کے قوانین جاری کیے ہیں۔ ایک مادی و طبیعی اور دوسرے شرعی و اخلاقی۔ قسم اوّل کا دائرہ تمام مادی اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ یہ زمین و آسمان، چاند سورج، ستارے اور نباتات و جمادات سب کے سب لگے۔ بندھے قانون کے پابند ہیں۔ اسی طرح خلاق عالم نے نوع انسانی کے لیے ایک شرعی و اخلاقی ضابطہ بھی تجویز کیا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے برابر جاری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرکے اسے آزاد و بے سہارا نہیں چھوڑ دیا بلکہ اسے چند اخلاقی اصول و ضوابط کا پابند بھی بنایا ہے تاکہ معاشرہ کسی قسم کے انتشار یا بدنظمی کا شکار نہ ہو جائے۔

اسلامی قانون ابدی کیوں؟

نوع انسانی کو شرعی و اخلاقی اصول و ضوابط انبیائے کرام کی معرفت ملتے رہے ہیں، جنھوں نے اقوام عالم کو ربانی شریعت کا پابند بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ فطرت و شریعت میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ مگر آج سابقہ انبیائے کرام کی اصل تعلیمات محفوظ نہ رہ سکیں، بلکہ ان میں ردّ و بدل ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تعلیمات چونکہ زمانے کے انقلابات سے متاثر ہوئے بغیر محفوظ ہیں اس لیے وہ اپنی اصل شکل میں موجود ہونے کے باعث قابل اتباع ہیں۔ مگر اس موقع پر یہ غلط فہمی نہ رہے کہ اسلامی قانون کوئی جامد شے ہے، بلکہ وہ ایک متحرک اور لچکدار ضابطہ ہے جو عصری تقاضوں کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے۔ چنانچہ اجتہاد کے ذریعہ ہر دور کے تقاضوں کے پیش نظر نئے نئے مسائل کا حل مصادر شریعت کی روشنی میں نکالا جا سکتا ہے۔ اور یہ کام علمائے مجتہدین کا ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی شریعت ایک مکمل اور دائمی شریعت ہے۔ جو منزل من اللہ ہونے کے باعث ہر دور

کے تقاضوں کے مطابق انسان کی صحیح رہنمائی کرسکتی ہے۔ لہٰذا یہ کبھی فرسودہ یا آؤٹ آف ڈیٹ نہیں ہو سکتی۔ اسلامی شریعت پر اس قسم کا الزام لگانا محض ناواقفیت یا سیاسی ذہن کی پیداوار ہے۔

اسلامی قانون ناقابل تبدیل کیوں؟

اصل میں غیر مسلم حضرات کو غلط فہمی اس بنا پر ہے چونکہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں مسلسل ارتقاء ہو رہا ہے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی قانون میں بھی ارتقاء یا ترمیم واضافہ ہونا چاہیئے۔ مگر اسلامی قانون اور انسانی قانون میں ایک بنیادی واساسی فرق یہ ہے کہ انسانی قانون ایک محدود نقطۂ نظر کی پیداوار ہونے کی بناء پر ہمیشہ محدود اور ناکافی رہتا ہے۔ کیونکہ انسانی عقل وحواس محدود ہیں جو صرف تجربات ومشاہدات ہی کی روشنی میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا جو قانون اپنی اصل وضع کے اعتبار سے محض تجربات ومشاہدات کا پابند ہو وہ ظاہر ہے کہ وقتی وعارضی احوال وکوائف ہی کا ساتھ دے سکتا ہے، مستقبل کے احوال کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ انسان کی نظر، خواہ وہ کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو، مستقبل کے احوال میں جھانکنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس ربّ العالمین کا علم چونکہ لامحدود ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام احوال کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس لیے وہ ناقابل تغیّر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم طبیعی میں خلّاقِ فطرت کے جاری کردہ مادی قوانین ناقابل تغیّر ہیں بالکل اسی طرح عالم شرعی میں اُس کے نافذ کردہ اخلاقی اصُول وضوابط بھی ناقابل تبدیل ہیں۔ انسانی قانون چونکہ تجربات کی روشنی میں "معلوم" سے "نامعلوم" کی طرف آگے بڑھ رہا ہے اس لیے اس میں برابر ارتقاء ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس ربّ العالمین کا قانون بغیر کسی ارتقاء کے یکبارگی طور پر نازل شدہ ہے اس لیے اس میں ارتقاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو اپنی جامعیت وکاملیت کے اعتبار سے بھی ایک معجزہ ہے۔

اسلامی قانون کے کامل اور ناقابل تغیّر ہونے کی ایک دوسری بہت بڑی اور تاریخی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تیرہ سو سالہ دور حکومت میں دوسری قوموں کے قوانین سے اخذ واستفادہ کے بغیر اہل اسلام کے معاشرتی، تمدنی اور سیاسی معاملات میں پوری طرح کفایت کرتا رہا ہے جو اُس کا ایک ناقابل تردید کارنامہ ہے۔ جب کہ دوسری قوموں کا حال ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دیگر اقوام نے اپنے عائلی وتمدنی قوانین کی عدم کفایت کے باعث رومن لا اور خود اسلامی قانون سے اخذ واستفادے پر خود کو مجبور پایا ہے۔ خاص کر عیسائی مذہب والے ایسا کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ کیونکہ عہد نامہ جدید (NEW TESTAMENT) میں عائلی قوانین نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ سابقہ انبیائے کرام کی شریعتیں چونکہ ناکافی ہونے کے ساتھ ساتھ وقتی وعارضی

تھیں اس لیے انہیں ثبات ودوام حاصل نہ ہو سکا۔ جب کہ اس کے برعکس اسلامی شریعت ایک کامل ودائمی شریعت ہے جو ہر قسم کے تغیرات وتحریفات سے محفوظ ہے اس لیے اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم واضافہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں البتہ عصری تقاضوں کے پیش نظر بذریعہ اجتہاد نئے نئے مسائل کا حل ضرور نکالا جا سکتا ہے اور اس کے نوک پلک درست کیے جا سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی قانون کبھی فرسودہ یا جامد نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ہمیشہ نمو پذیر اور تازہ دم نظر آئے گا، جس میں حرکت اور بیداری کے عناصر اپنے روزِ اول ہی میں ودیعت کیے جا چکے ہیں۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جدید وضعی قوانین کے بعض وہ اصول کلیات جن پر عصر جدید کو بڑا ناز ہے، مثلاً نظریۂ مساوات، نظریۂ عدل، انسانیت نوازی اور اظہار رائے کی آزادی وغیرہ تو یہ سب کے سب اصول ومبادی اسلامی شریعت ہی سے ماخوذ ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ غرض اسلامی شریعت کا مزاج اور اس کا نیچر دیگر قوانین سے یکسر مختلف ہے۔ وہ پہلے ہی دن ایک کامل تر، برتر اور دوامی شکل میں نازل ہوئی ہے، جس پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں۔ اور وہ چودہ سو سال سے اب تک نہ جانے کتنے فلسفوں، نظریوں اور تحریکوں کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کر چکی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اب تک تازہ دم اور ہشاش وبشاش نظر آ رہی ہے۔ یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ وہ من جانب اللہ ہے۔ ورنہ اگر وہ کسی انسان کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو وہ کبھی کا آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہوتا۔ لہٰذا اسلامی شریعت اپنے اس مخصوص مزاج وماہیت کی بنا پر کسی بھی قسم کے ردّ و بدل کو قبول نہیں کر سکتی

اسلامی شریعت ایک ترقی یافتہ قانون

اس تفصیل سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اسلامی قانون اپنے مخصوص مزاج وماہیت کے اعتبار سے نہ صرف دنیا کے تمام قوانین سے مختلف ہے بلکہ وہ اپنی نمو پذیری اور لچک کے اعتبار سے بھی ایک برتر اور اعلیٰ درجے کا قانون ہے۔ نیز وہ اتنا جامع اور مانع ہے کہ اس کی نظیر دنیا کے قوانین میں سرے سے موجود نہیں ہے۔ اور اس حیرت انگیز قانون کے اصول ومبادی بالکل مرتب شدہ ہیں، جن کو اصطلاح میں "اصول فقہ" کہا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے قیاس واجتہاد کو ایک مستقل سرچشمہ قانون تسلیم کر کے اسے حیات جاودانی عطا کر دی ہے۔ اور اسی بنا پر یہ خدائی قانون کبھی فرسودہ نہیں ہو سکتا۔ اب یہ فریضہ علمائے مجتہدین پر عائد ہوتا ہے کہ وہ اجتہاد کے ذریعہ نئے مسائل کا حل تلاش کر کے عصر جدید کے چیلنج کا مقابلہ کریں۔

اسلامی قانون کو بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں

مگر اس سلسلے میں یہ حقیقت واضح رہنی چاہیئے کہ اجتہاد صرف نئے مسائل ہی میں ہو سکتا ہے، جن کے بارے میں قرآن اور حدیث خاموش ہوں۔ لیکن اجتہاد اس کا نام نہیں ہے کہ قرآن یا حدیث کے صریح احکام کو بدل دیا جائے۔ بلکہ منصوص احکام کی روشنی میں نئے مسائل کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں بعض نئے دعویداروں یا فقیہانِ خود ساختہ کا یہ مطالبہ کہ "اجتہاد" کے نام پر قرآن وحدیث کے نصوص کو بھی بدل دیا جائے نہایت درجہ گمراہ کن اور شر انگیز ہے۔ اور ایسے لوگ اجتہاد کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں ہاں البتہ ترمیم واضافہ کا تعلق غیر منصوص مسائل سے ہے جو زیادہ تر "عُرف وعادات" سے متعلق ہیں۔ خود فقہ اسلامی سے عُرف وعادات کا بھی اعتبار کیا ہے۔

اسلامی شریعت کا اصل واضع وشارع صرف باری تعالیٰ ہے، جس میں ردوبدل کا کسی بڑے سے بڑے عالم ومجتہد کو بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کا اختیار نہیں تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ج إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ:

(اے محمدؐ) تو کہہ دے کہ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بطور وحی بھیجی جاتی ہے۔ (یونس ۱۵)

ثُمَّ جَعَلْنَٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

پھر ہم نے آپ کو ایسی شریعت پر ایستادہ کر دیا ہے جو (ہمارے) حکم سے ہے۔ تو آپ اس شریعت کی پیروی کیجئے اور اُن لوگوں کی خواہشات پرست چلیئے جو (صحیح) علم نہیں رکھتے۔ (جاثیہ ۱۸)

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ: ہاں دیکھو پیدا کرنا اور حکم چلانا اسی کا کام ہے۔ (اعراف ۵۴)

خلاصہ یہ کہ خدائے ذوالجلال کی حلال کردہ چیزوں کو کوئی بھی حرام نہیں کر سکتا اور نہ اس کی حرام کردہ اشیاء کو کوئی محض اپنی صوابدید سے حلال کر سکتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم ومجتہد کیوں نہ ہو۔ اللہ رب العزت نے اسلامی شریعت کو ہر طرح سے مکمل کر دیا ہے، جسے ترک کر کے کسی دوسری شریعت کو اختیار کرنا اس کے نزدیک معصیت ونافرمانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو بطور ایک دین کے پسند کیا ہے۔ (مائدہ ۳)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔
حکم کرنا صرف اللہ کا کام ہے اُس نے تاکید کی ہے کہ تم صرف اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ (یوسف ۴۰)
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ
یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول کے ذریعہ یہی پیغام بھیجا تھا کہ (صرف) اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر خدائی نظام) سے بچو۔

اسلامی شریعت کی معقولیت

اس موقع پر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ اسلامی شریعت دیگر تمام شرائع کی بہ نسبت حد درجہ معقول و متوازن ہے۔ اور قرآن مجید دنیا کا وہ پہلا اور واحد صحیفہ ہے جو نظامِ فطرت کے ساتھ ساتھ نظامِ شریعت میں بھی غور و خوض کرنے اور ان میں ودیعت شدہ حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے پر زور دیتے ہوئے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے کی سخت مذمت کرتا ہے۔ کیوں کہ اندھی تقلید آزادانہ غور و فکر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ ایسے جامد قسم کے لوگوں کو قرآن مجید میں بہرے اور گونگے قرار دیا گیا ہے جو عقل و دانش سے کام نہ لیتے ہوں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ
اللہ کے نزدیک بدترین خلائق وہی لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں، جو کچھ بھی نہیں سمجھتے (انفال ۲۲)

اس اعتبار سے اسلام حد درجہ عقلی اور عقلیت پسند (RATIONALIST) مذہب ہے اور اس پر بے عقلی و جمود پسندی یا دقیانوسیت کا الزام لگایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے جس طرح مظاہر کائنات یا تخلیقاتِ الٰہیہ میں غور و خوض کی دعوت دی ہے بالکل اسی طرح احکام الٰہی یا قوانین شریعت میں غور و فکر کر کے ان میں موجود شدہ عقلی مصالح و عِلل دریافت کرنے پر اہلِ دانش کو ابھارا ہے۔ چنانچہ مظاہر کائنات میں غور و فکر کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۔ دن اور رات کے ادل بدل اور ان (تمام) چیزوں میں جن کو اللہ آسمانی (اجرام) اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے ڈرنے والوں کے لیے یقیناً (اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔ (یونس ۶)

اور شرعی احکام میں غور و فکر کی ایک مثال اس طرح بیان کی گئی ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۔

اللہ تمہارے لیے اسی طرح احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ (البقرہ ۲۱۹)

قرآن مجید میں اس قسم کی بے شمار آیات موجود ہیں جن کے ذریعہ اہل دانش کو تفکر و تدبر اور تحقیق وجستجو پر ابھارا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے مذاہب میں آزادانہ غور و فکر اور عقل و دانش پر بندشیں لگائی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوتِ فکر وہی ہستی دے سکتی ہے جس کا علم تمام ادوار اور تمام احوال و کوائف پر محیط ہو اور جس کے قانون میں کسی قسم کا نقص یا عیب موجود نہ ہو۔ بالفاظ دیگر جس قانون کو مستقبل کے علمی نظریات یا فلسفیانہ تھپیڑوں سے متزلزل ہو جانے کا کوئی خدشہ نہ ہو۔ چنانچہ خدائی احکام و اوامر محکم علمی بنیادوں پر قائم ہیں جن کو علمی نظریات اور لادینی تحریکیں کبھی زیر و زبر نہیں کر سکتیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الۤرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ؛

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی اعتبار سے) مضبوط و مستحکم کی گئی ہیں۔ پھر ایک حکمت والے اور (خدائے) باخبر کی جانب سے اُن کی تفصیل کی گئی ہے۔ (ہود ۱)

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ :

تیرے رب کی بات پوری ہوئی، کیا بہ لحاظ سچائی اور کیا بہ لحاظ اعتدال (چنانچہ) اُس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ (الانعام ۱۱۵)

غرض خدائی قانون کے یہ دو بنیادی اوصاف ہیں جو ہر دور میں پورے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک سچائی اور دوسرے اعتدال و میانہ روی۔ بالفاظ دیگر خدائی قانون ہر دور کے علمی معیار پر پورا اور کھرا اُترتا رہے گا اور منطق صحیح کی رُو سے وہ متوازن اور بے عیب رہے گا۔ یہاں پر سیاسی ہلڑ بازی سے کوئی بحث نہیں ہے بلکہ اگر بحث ہے تو علمی سنجیدگی اور متانت سے ہے۔

متمدن قومیں اور اسلامی قانون

آپ خدائی قوانین پر جتنا بھی غور کیجئے اس کی خوبیاں اور اُس کے محاسن کھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر دور میں ایک معقول و متوازن قانون نظر آتا ہے جو خدائی علم و حکمت کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم چار و ناچار اس کو قبول کرنے پر مائل نظر آرہی ہیں۔ جیسا کہ متمدن دنیا کے موجودہ رجحان سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ طلاق اور تعدّد ازدواج ہی کے مسائل کو لے لیجئے تو نظر آئے گا کہ آج دنیا کی قومیں سب سے زیادہ اسلام کے ان ہی دو قوانین کو بُرا بھلا کہتی ہیں اور انہیں حقوقِ نسواں کے خلاف قرار دیتی ہیں۔ مگر عملاً دیکھا جائے تو دکھائی دے گا کہ وہ اسلام کے انہی دو قوانین کی طرف بے تحاشہ بڑھتی بھی چلی جا رہی ہیں۔ چنانچہ ۱۹۵۵ء کے ہندو کوڈ

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۹ پر)

جناب ڈاکٹر عبدالغنی صاحب
تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ

قرآن کا نظریۂ کائنات

- صدیوں سے جاری ایک تصادم کا بیان
- اصل کشمکش صاحب ایمان سائنس دان اور لادین سائنس دان کے درمیان ہے۔
- بات نظریے کی ہے لیکن اس کا تعلق عمل سے ہے۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (الملک ۳)

تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟

فطرت و قدرت

فطرت و قدرت کے الفاظ عام طور پر ایک ہی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان لغت کے اعتبار سے ایک فرق ہے۔ فطرت دنیا میں پیدا ہونے والی چیزوں کی اصلیت ہے اور اس لحاظ سے ہستی کے جتنے مظاہر ہیں سب کا تعلق فطرت سے ہے۔ آدمی کے نقطۂ نظر سے ایک فطرت اس کے وجود کے اندر ہے، دوسری فطرت اس کی نگاہوں کے سامنے زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی پوری کائنات ہے۔ قدرت درحقیقت خدا کی اس قوت و طاقت اور اس کے بنائے ہوئے اس منصوبہ و نظام کا نام ہے جو زندگی کے تمام جلووں اور پہلوؤں پر حاوی ہے۔ چنانچہ اگر محاورے میں فطرت کو بھی قدرت کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں وجود کے تمام مظاہر کو ایک خدا کی مخلوقات سمجھا جاتا ہے۔

فطرت و قدرت کی یہ ہم آہنگی بلا وجہ نہیں۔ یہ انسان کے ضمیر کی آواز بھی ہے اور زندگی کا قانون بھی۔ ہزاروں لاکھوں سال سے جو کارخانہ ہستی چل رہا ہے وہ بے بنیاد اور بے معنی نہیں۔ اس کا ایک مقصد ہے۔ آدمی کی عقل نے جس حد تک بھی اس مقصد کو سمجھا ہے اسے محسوس ہوا ہے کہ کائنات کی تخلیق کسی بالاتر ہستی کے ارادے سے، اس کے منصوبے کے مطابق ہوئی ہے اور حیات ایک نعمت ہے جو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے تقاضے پورے کیے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کی جائیں۔ یہ احساس خدا کی مشیت اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر کی طرف بہت واضح اشارہ کرتا ہے، جس سے زندگی کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ اہمیت انسان سے زندگی کے متعلق ایک سنجیدہ رویے کا مطالبہ کرتی ہے۔ دنیا کھیل تماشے کی

جگہ نہیں ہے۔ یہاں زندگی کی جو نوعیت ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کچھ کر دکھانے کی جگہ ہے اور جو کچھ کیا جائے گا اس کا حساب ہوگا، جس کے مطابق کرنے والے کی حیثیت کا تعین ہوگا۔ ایسی حالت میں آدمی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ فطرت وقدرت کی حقیقتوں، اصولوں اور مطالبوں کو سمجھ کر ان کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرے، تاکہ اس کی ہستی نہ صرف باقی رہے بلکہ اسے صحیح طور پر ترقی کا موقع ملے۔

حیات وکائنات

فطرت وقدرت کی طرح حیات وکائنات کے الفاظ بھی بکثرت ساتھ ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں، اگرچہ ان کے معنوں میں جو فرق ہے وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ ہے کہ حیات وکائنات کے درمیان ایک اندرونی ربط ہے۔ حیات بغیر کائنات کے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کائنات کا کوئی تصور حیات کے بغیر معمول کے مطابق نہیں کیا جا سکتا، کائنات جب ہے تو اس میں حیات بھی ہے۔

اب کائنات اور اس میں حیات کی جو شکل ہمارے سامنے ہے اور ہم نے دونوں کی حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم اس کے سوا کوئی اور بات نہیں کہہ سکتے بلکہ اس اقرار پر مجبور ہیں کہ حیات وکائنات ایک واقعہ ہے، ایک ہستی ہے، کوئی فریب نہیں، کوئی خواب نہیں۔ لہذا حیات وکائنات کے متعلق ہمیں پوری سنجیدگی سے ایک رائے قائم اور ایک رویہ اختیار کرنا چاہیے، تاکہ ہم سایوں اور سرابوں کے پیچھے نہ دوڑتے رہیں اور دھوکا نہ کھائیں۔ زندگی کو برباد نہیں کریں، بلکہ حقیقتوں کو سمجھ کر، شعور کی روشنی میں اپنی قوت اور وقت کا استعمال زندگی کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے کریں۔

بنیادی رویہ

فطرت وقدرت اور حیات وکائنات کے متعلق بنیادی طور پر انسان کے لیے ضروری ہے کہ ایک واضح رویہ اختیار کرے، ورنہ دنیا میں اس کی زندگی بالکل غیر فطری اور بے کار ہوگی۔ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ جو حیات اسے ملی ہے وہ کیا ہے، جس کائنات میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے اور جس فطرت پر اسے پیدا کیا گیا ہے یا وہ پیدا ہوا ہے اور جو فطرت اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے اس کے پیچھے کون سی قدرت کام کر رہی ہے، تو ظاہر ہے کہ آنکھوں کے باوجود اس شخص کی زندگی ایک اندھے کی ہوگی، ایک ایسے اندھے کی جس کے سر اور دل دونوں کی آنکھیں بند ہوں گی، جس کا نہ کوئی ذہن و دماغ ہوگا نہ شعور و کردار۔

یہ بنیادی رویہ دو قسم کا ہو سکتا ہے، ایک یقینی، ایک غیر یقینی۔ تمام مشاہدات و تجربات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فطرت وقدرت اور حیات وکائنات کی اصلیت وحقیقت کا معاملہ غیب کا ہے اور صورت یہ ہے کہ اس سے متعلق یا تو کسی یقینی ذریعے سے کوئی واضح علم حاصل ہو جائے یا بالکل غیر یقینی طور

پر صرف قیاس و تخمین سے کام لیا جائے۔ دونوں صورتوں میں کچھ دلیلیں ہوں گی، لیکن جو دلیل شک اور گمان کی بنا پر دی جائے گی ظاہر ہے کہ اس سے زندگی کا کوئی ٹھوس عمل پیدا نہیں ہوگا جب کہ یقین و اعتماد پر مبنی دلیل لازماً ایک ٹھوس عمل کی تحریک کرے گی۔ اس طرح زندگی کے متعلق دو مختلف، بلکہ متضاد رویے رونما ہوں گے اور ان کے مخصوص نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

اس سلسلے میں رویوں کی سب سے واضح تقسیم یہ ہے کہ ایک رویہ مذہب کا ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے اور دوسرا رویہ لامذہبیت کا ہے جو آدمی کے عقلی قیاسات پر مبنی ہے۔ وحی کا صاف اقرار ایمان کی شان ہے اور وحی سے انکار یا اس کے متعلق تذبذب بے دینی کی کیفیت ہے۔ فطرت و قدرت اور حیات و کائنات کی معروف عالمانہ و حکیمانہ تحقیق دونوں حالتوں میں ممکن ہے، مگر ان کے نتائج اور اثرات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوں گے۔ وحی پر ایمان کے ساتھ انفس و آفاق کا جو مشاہدہ و مطالعہ ہوگا وہ ایک مثبت ضابطۂ عمل مرتب کرے گا، جب کہ اس ایمان کے بغیر زندگی کے مظاہر کا جو تجسس کیا جائے گا اس میں منفی قسم کی فکری تکنیک پائی جائے گی۔

پرانے زمانے میں ان رویوں کی باہمی آویزش کو مذہب اور سائنس کی کش مکش سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ تعبیر صحیح نہیں تھی۔ سائنس کے لیے لامذہب ہونا ضروری نہیں اور مذہب کے لیے لازمی نہیں کہ وہ سائنس کی مخالفت کرے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک سائنس مذہب پسند ہو اور دوسری مذہب بیزار۔ یہ فرق بھی دراصل سائنس دان کے ذاتی رویے پر منحصر ہے، ورنہ سائنس بجائے خود ایک غیر جانب دار شے ہے، جس کا استعمال کسی بھی مقصد کے لیے ہو سکتا ہے۔

سائنس کا نظریۂ کائنات

کائنات سے عالموں اور فلسفیوں کی دلچسپی بہت پرانی ہے۔ بعض اہل علم کے درمیان ستارہ شناسی ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ ASTROLOGY ایک پرانا فن ہے، جس میں دنیا اور آدمی کے حالات و واقعات پر ستاروں کی چال کا اثر دکھایا جاتا ہے۔ اس جنتر منتر نے بڑھ کر باضابطہ علم نجوم ASTRONOMY کی شکل اختیار کر لی اور اس کی مزید ترقی طبیعیات نجوم ASTROPHYSICS کی تشکیل کا باعث ہوئی، یہاں تک کہ کائنات، اس کے سیاروں اور ستاروں کے مطالعہ کے لیے سائنس کے ایک تازہ ترین شعبے، علم کائنات COSMOLOGY کا وجود عمل میں آیا۔ لیکن کائنات کے سارے حکیمانہ مشاہدات کی حد اس موضوع پر پیرس سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب کے اس ذیلی عنوان سے معلوم ہو جاتی ہے۔

CONVERSATION ABOUT THE INVISIBLE

یعنی "غیب کے متعلق گفتگو"

ظاہر ہے کہ غیب کے متعلق، جس کی کھلی اور قطعی شہادت کسی ٹھوس شکل میں نہیں مل سکتی، انسان کی ہر گفت وگو ظن وتخمین اور قیاس وگمان پر مبنی ہو گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے حقائق کی مادی تعبیر کے متعلق سائنس کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتی اور اس سلسلے میں اس کا کوئی دعویٰ کسی واضح دلیل پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مدت تک سائنسدانوں کے درمیان یہ مباحثہ ہوتا رہا کہ کائنات ایک بار بن کر ساکن ہو گئی ہے یا مسلسل حرکت وترقی کر رہی ہے۔ ایک روسی سائنسدان فریڈمین کائنات کے متحرک ہونے کا خیال پیش کرتا رہا، مگر ۱۹۵۰ء کی دہائی تک کائنات کی عمر کبھی دس بلین اور کبھی بیس بلین بتانے والے سائنس دان کائنات کی حرکت یا سکون کے متعلق اپنے اختلافات کا اظہار کرتے رہے۔ متحرک یا ساکن ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے محدود یا لامحدود ہونے کی منطقی بحث بھی چلتی رہی ——

H. BOND - T. GOLD - FRED HOYLE - WILLIAM FOWLER

مختلف اہلِ علم وحکمت کائنات کی تعبیر وتشکیل پر مباحثے کرتے رہے، مگر وہ کسی فیصلہ کن نتیجے تک نہیں پہنچ سکے۔ ان کی ایک بڑی الجھن اس سلسلے میں خدا کے اقرار وانکار کا مسئلہ تھا۔ سائنس والوں نے "علم کی غیر جانبداری" میں اتنی انتہا پسندی دکھائی کہ انہوں نے سائنس کو بے خدا ATHIEST تسلیم کرنا ضروری سمجھا اور اسی مفروضے پر، جس کا حکیمانہ معروضیت SCIENTIFIC OBJECTIVITY سے کوئی اصولی تعلق نہیں تھا، کائنات کے یک بارگی وجود کے بعد اس کو جامد قرار دے دیا، اس لیے کہ کائنات کی مسلسل حرکت کسی محرک کی ہستی کا تصور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ ایک عجیب وغریب صورتِ حال ہے اور بالکل محال ومتضاد قسم کی ہے۔ ایک طرف ارتقاء EVOLUTION کا خیال ہے جو حرکت پر مبنی ہے اور دوسری طرف اس جمود کی وکالت ہے جو تخلیق CREATION کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس الجھن سے محسوس ہوتا ہے کہ لادین سائنس داں نہ تو ارتقا کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھتے ہیں نہ تخلیق کا۔ اور ان کی جانب سے معروضیت کے سارے دعوے دراصل ایک موضوعی SUBJECTIVE مفروضے پر قائم ہیں۔ یہ طرزِ فکر کوئی فلسفہ ہو تو ہو، سائنس نہیں ہے، حکمت کے لیے انکارِ خدا کیوں ضروری ہے سب سے بڑا حکیم اور حکمت بخش تو خدا ہی ہے۔

۱۹۶۵ء میں ضربِ عظیم یا بڑی چوٹ BIG BANG کا وہ نظریہ سامنے آیا جس کا غلغلہ آج تک بلند ہے۔ اس کے علم بردار لیماٹیٹرا اور گاموہیں۔ اس نظریے کے مطابق کائنات کا وجود ایک بیضۂ اصلی ORIGINAL EGG سے ہوا، جس میں ہر قدیم PRIMORDIAL ATOM بہت ہی بڑی مقدار میں بھرا ہوا تھا۔ اس پہلے انڈے کے اندر انتہائی کثافت DENSITY کے ساتھ ساتھ حدت HEAT بھی تھی۔ یہ بنیادی مادہ ابتداءً اپنے زبردست حجم میں تابانی و تاب کاری سے معمور تھا —— اس پر دو اہم ترین سوالات اٹھتے ہیں!

۱۔ بیضۂ اصلی کے عناصر کی ترکیب کیسے عمل میں آئی؟

۲۔ اس ترکیب کو وجود کے اگلے مرحلے پر کون حرکت میں لایا؟ اب سائنس کے تمام مکاتبِ فکر انہی سوالوں کے

جواب کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ اور دیکھا جائے تو کائنات کی ہستی اور ترقی دونوں کا راز اس جواب میں پوشیدہ ہے، حیات کے اسرار و رموز بھی اس میں مضمر ہیں۔ یہ جواب وہ شاہ کلید MASTER KEY ہے جس سے زندگی کے بنیادی حقائق پر لگے ہوئے سب تالے کھل جاتے ہیں اور آفاق کی صداقتوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ لیکن سائنس دانوں کی مشکل یہ ہے کہ سوالات کا تعلق درحقیقت غیب INVISIBLE سے ہے اور جواب ایمان FAITH کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔ غیب اور ایمان دونوں طبعی PHYSICAL امور نہیں، مابعد طبعی METAPHYSICAL امور ہیں اور علم کائنات کا آغاز بھی مابعد طبعی ہے، انجام بھی مابعد طبعی۔ لہٰذا ان سوالوں کے جواب سائنس سے نہیں، مذہب سے میسر آ سکتے ہیں۔

قرآن کا نظریہ کائنات

قرآن نے پہلے پارے کی پہلی ہی سورۃ کی بالکل ابتدائی آیتوں میں واضح کر دیا ہے کہ اللہ کی کتاب، جو ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل کی گئی، ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح کائنات و حیات، کے آغاز کے متعلق، جو سراسر غیب کا معاملہ ہے، قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت واضح اعلان کرتی ہے:

"کیا وہ لوگ جنہوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا وہ ہماری اس خلاقی کو نہیں مانتے؟" (الانبیاء ۳۰)

اس کے فوراً بعد کی آیتوں میں تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے۔

"۱۔ زمین میں پہاڑ جما دیئے، تاکہ وہ ڈھلک نہ جائے، اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں، شاید کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔

۲۔ آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔

۳۔ رات اور دن بنائے۔

۴۔ سورج اور چاند کو پیدا کیا۔

۵۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔" (الانبیاء: ۳۱-۳۳)

آخری نکتے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا تفسیری نوٹ یہ ہے:

"فلک، جو فارسی کے چرخ اور گردوں کا ٹھیک ہم معنی ہے، عربی زبان میں آسمان کے معروف ناموں میں سے ہے۔ "سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" سے دو باتیں صاف سمجھ آتی ہیں۔ ایک یہ کہ سب تارے ایک ہی "فلک" میں نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا فلک الگ ہے۔ دوسرا یہ کہ فلک کوئی ایسی چیز نہیں جس میں یہ تارے کھونٹیوں کی طرح جڑے ہوئے ہوں اور وہ خود انہیں لیے ہوئے گھوم رہا ہو، بلکہ وہ کوئی سیال شے ہے یا فضا اور خلا کی سی نوعیت کی چیز ہے

جس میں ان تاروں کی حرکت تیرنے کے فعل سے مشابہت رکھتی ہے۔"

(ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی از سید ابوالاعلیٰ مودودی — ۱۹۷۸ء اشاعت اسلام ٹرسٹ، دہلی)

مذکورہ بالا سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۳۰ کیا کائنات کی تخلیق سے متعلق سائنس کے جدید ترین نظریے BANG . کی طرف کھلا اشارہ نہیں کرتی؟ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا"۔ اس بیضۂ اصلی پر ایک ضرب عظیم کا بیان ہے جس کی بات سائنس کرتی ہے۔ قرآن کے الفاظ صریحاً زمین وآسمان کی مرکب شکل کے ٹوٹنے کا تذکرہ کرتے ہیں یعنی ابتدائے کائنات میں جب وجود کے عناصر ترکیبی ایک دوسرے میں خلط ملط تھے ایک زوردار دھماکہ BIG BANG خدا کے حکم سے اس کی مشیت کے مطابق ہوا، جس کے بعد ہستی کا ارتقاء اگلے مراحل میں داخل ہوا۔ دھماکے سے پہلے بھی جو عناصر پیدا ہو کر ایک مرکب شکل میں یک جا ہوئے وہ خدا کی قدرت ہی کا کرشمہ تھا۔ وہی تمام چیزوں کا خالق ہے۔ عناصر وجود کی تخلیق، تحلیل اور ترکیب سب کچھ اس کی قدرت ومشیت کے تحت ہی ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا۔

اس سلسلے میں زیر بحث آیت کا یہ جملہ کہ "پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی"، کائنات اور اس میں حیات کی تخلیق وترقی کے متعلق سائنس کے ایک اہم تصور پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس نے جو نظریہ مشاہدے اور تجربے کے بعد قائم کیا، اس کی طرف اللہ کی کتاب وحی کے ذریعے واضح اشارہ کرتی ہے۔ قرآن مجید کا فکر انگیز جملہ بالکل عام اور جامع ہے تمام زندہ چیزوں کے لیے — جب کہ زندگی کا اطلاق انسان اور حیوان کے علاوہ نباتات اور جمادات پر بھی ہو سکتا ہے۔ پودے جس طرح اگنے بڑھتے اور بنتے پھیلتے ہیں وہ زندگی کی ایک علامت ہے۔ اس لیے ہر مخلوق زندگی کے کسی بھی دائرے میں، پانی کے مادۂ حیات ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ پھر پانی کو بنیادی مادہ مان کر مختلف سطحوں پر مختلف قسم کی مخلوقات کے ارتقاء کا امکان بھی ہے۔ بہر حال، جو چیز بھی پیدا ہوتی ہے اس کا خالق خدا ہے اور پانی کو بھی اسی نے پیدا کر کے دیگرا[?]یا موجودات کی تخلیق کے لیے مادے کے طور پر استعمال کیا۔

زیر بحث آیت سے متصل آیات میں زمین، آسمان، رات دن، سورج اور چاند کی تخلیق کا تذکرہ کر کے قرآن نے کائنات کے متعدد اہم ترین مظاہر کا احاطہ کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین وآسمان کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد وجود کی توسیع وترقی اور ان میں اضافہ وارتقاء خدا کی قدرت ومشیت کے تحت، اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہوا اور یہ جملہ کہ "سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں" یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک خدائی منصوبے کے تحت ایک خاص ترکیب وترتیب سے ہو رہا ہے۔ سائنس اس جملے سے سیاروں اور ستاروں کا مفہوم اخذ کر سکتی ہے، جب کہ کلام الٰہی نے ایک جامع اصول اور ایک عام قاعدے کی وضاحت کر دی ہے۔

یہ وہ نکات ہیں جو قرآن میں مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے بار بار پیش کیے گئے ہیں۔ یہ چند آیتیں دیکھیے

"جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اس انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔ (البقرہ ۱۶۴)

"اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جب کہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تم کو آزما کر دیکھے تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے" (ہود۔ ۷)

"ہم نے ہر چیز تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے" (القمر ۴۹)

اس آیت کی تشریح مولانا مودودیؒ نے اس طرح کی ہے: "یعنی دنیا کی کوئی چیز بھی الل ٹپ پیدا نہیں کر دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے، ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے۔ ایک خاص حد تک نشو و نما پاتی ہے، ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے"

مزید ——

"اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کی مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات تمہیں اس لیے بتائی جا رہی ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے" (الطلاق ۱۲)

آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی کہتے ہیں:

"انہی کے مانند" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اتنی زمینیں بھی بنائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے متعدد آسمان اس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں۔ اور "زمین کی قسم سے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زمین جس پر انسان رہتے ہیں اپنی موجودات کے لیے فرش اور گہوارہ بنی ہوئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اور زمینیں بھی بنا رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لیے فرش اور گہوارہ ہیں۔ بالفاظ دیگر آسمان میں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ڈھنڈار پڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ زمین کی طرح ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جن میں دنیائیں آباد ہیں۔"

قرآن کا نظریۂ حیات

نظریۂ کائنات کی تشریح کے ساتھ ساتھ نظریۂ حیات کی وضاحت بھی ضروری ہے، اس لیے کہ اول تو کائنات خود ایک مظہرِ حیات PHENOMENON OF LIFE ہے، دوسرے کائنات بے حیات نہیں ہو سکتی اور کائنات کے اندر حیات کا وجود لازماً ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے زمین و آسمان کے مرکب کے اجزائے ترکیبی کو ایک دوسرے سے جدا کر کے تخلیق کائنات کے آغاز کی جو نشاندہی ایک آیت میں کی ہے، جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے، اس میں صراحت بھی کر دی ہے کہ خدا نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا یعنی کائنات کے وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ حیات کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ ایک دوسری آیت کے مطابق، جس کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے، زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت عرش خداوندی کے کسی نوعیت کے پانی کی سطح پر ہونے سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ حیات کے آثار کائنات کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا دیکھنا چاہیئے کہ کائنات میں حیات کے وجود کے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ علمی حلقوں میں ایک مدت سے یہ بحث ہوتی رہی ہے کہ کائنات و حیات کا ارتقاء EVOLUTION ہوا ہے یا ان کی تخلیق CREATION ——جب سے ڈارون نے انیسویں صدی میں اصل الانواع ORIGIN OF SPECIES کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا ہے (۱۸۵۹ء) سائنس دانوں کا موقف یہ ہو گیا ہے کہ کائنات و حیات کی تخلیق بیک دفعہ یا جستہ جستہ نہیں ہوئی ہے، بلکہ تمام موجودات کا مسلسل ارتقاء اس طرح ہوا ہے کہ پیہم ایک چیز کے اندر دوسری بہتر چیز نکلتی چلی گئی ہے۔ اگرچہ سائنس کے اس مادی و میکانکی نظریے میں سائنسدانوں نے خود ہی گم شدہ کڑیوں MISSING LINKS کا اقرار کیا ہے اور ان کے لیے سب سے بڑھ کر حل طلب بلکہ ناقابل حل سوال تو یہ ہے کہ وہ بنیادی مادہ کب، کہاں اور کیسے وجود میں آیا جس سے حیات و کائنات کا سلسلہ شروع ہوا؟

چونکہ سائنس اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے، لہٰذا اس کے لیے مذہب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اس سلسلے میں کرۂ ارض پر مذہبی نقطۂ نظر کا بہترین ترجمان قرآن ہی ہے، جو اسلامی نظریۂ کائنات و حیات کی بنیادی دستاویز ——قرآن کا موقف سمجھنے کے لیے سب سے پہلے حسب ذیل آیات پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔

"ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا" (الحجر ۲۶)

اس آیت کا مفہوم مولانا مودودیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں: "یہاں قرآن اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہوا بشریت کے حدود میں نہیں آیا ہے، جیسا کہ نئے دور کے ڈاروینیت سے متاثر مفسرین قرآن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی ابتدا براہ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے صلصال من حما مسنون کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خمیر اٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی۔"

مزید ——

"اور اس سے پہلے جنوں کو ہم آگ کی لپیٹ سے پیدا کر چکے تھے" (الحجر ۲۷)

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھا دیا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے، اور اوپر سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے" (طٰہٰ ۵۳-۵۴)

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر" (المومنون ۱۲ تا ۱۴)

"اور کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ ڈالی کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں؟ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں" (الشعراء ۷-۸)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ اس سے ڈرتے ہیں" (فاطر ۲۷-۲۸)

"اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ جس کے یہ کام ہیں تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو؟" (الزمر ۶)

" اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق لو" (الذاریات ۴۹)

"کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟" (الطور ۳۵)

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکاتے وہ عمل میں آ جاتا ہے" (القمر ۴۹-۵۰)

"اور اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے" (نوح ۱۴) (مولانا مودودی تشریح کرتے ہیں "تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزارتا ہوا تمہیں موجودہ حالت پر لایا ہے")

"اور اللہ نے زمین سے تم کو عجیب طرح اگایا" (نوح ۱۷)

اس پر مولانا مودودیؒ کا نوٹ ہے۔

"یہاں زمین کے مادوں سے انسان کی پیدائش کو نباتات کے اگنے سے تشبیہ دی ہے جس طرح کسی وقت اس کرے پر نباتات موجود نہ تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کو اگایا۔ اسی طرح ایک وقت تھا جب روئے زمین پر انسان کا کوئی وجود نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی پود لگائی۔"

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا" (التین ۴)

مذکورہ بالا آیات کے اشارے سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی سر راہے پڑی ہوئی خود کار چیز نہیں ہے، یہ باضابطہ پیدا کی گئی ہے اور کوئی اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس بات کا خالق نے خود دعویٰ کیا ہے اور تخلیق کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس لیے کہ وہی خدائے کائنات اور مالک حیات ہے۔ اس نے کائنات کے ساتھ ساتھ حیات ایک اندازے اور منصوبے کے مطابق پیدا کی ہے۔ یہ اس کی بنائی ہوئی تقدیر ہے جس کے تحت ہر چیز بقدر ضرورت پوری اہمیت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے۔ ہستی کا ایک نظام ہے جو قدرتِ الٰہی کے مرتب کیے ہوئے فطری ضابطوں پر مبنی ہے۔ وجود بے مراد وجود نہیں ہے۔ اس کے کچھ قواعد اور کچھ مقاصد ہیں۔ پھر وجود کی بے شمار شکلیں ہیں جو ایک منطقی ربط کے ساتھ باہم مربوط ہیں۔

خدا کی اس تخلیق میں ایک حکیمانہ ارتقا ہے۔ ساری مخلوقات یک دفعہ نہیں پیدا کر دی گئیں۔ وہ ایک تدریج و ترتیب کے ساتھ نمودار ہوئی ہیں۔ بنیادی اور اولین مادے کی تشکیل کے بعد جس کی نوعیت خدا کے سوا کسی کو نہیں معلوم، تمام مخلوقات مشیتِ الٰہی کے مطابق یکے بعد دیگرے الگ الگ وجود میں لائی گئیں۔ آسمان اور زمین، ستارے اور سیارے۔ دنیا اپنے تمام آفاقی مظاہر کے ساتھ وجود میں آئی اور اس کی زمین پر پہلے جمادات، پھر نباتات، تب حیوانات اور سب سے آخر میں انسان کی پیدائش ہوئی جس کی تخلیق کے عناصر ترکیبی میں دوسری مخلوقات کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر انسان کی ساخت اپنی مکمل شکل میں دوسری تمام مخلوقات سے نمایاں اور بہترین ہے، اس لیے کہ خدا نے اسے ایک دوسری مخلوق —— قرآن کے لفظوں میں "خلقاً آخر" بنایا ہے اس سے پہلے کی بات صرف خدا کے علم میں ہے اور بعد کی ترقیات کے بھی بعض اسرار و رموز غیب ہی میں رکھے گئے ہیں۔ انسان کو صرف اس کی تخلیق اور حیات و کائنات کے چند اہم حقائق بتا کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ خدا نے آدمی کو بہترین سانچے "احسن تقویم" میں پیدا کیا ہے یہ اشارہ ہے اس نکتے کی طرف کہ انسان حیات کا عظیم ترین مظہر اور خدا کی بہترین مخلوق ہے جسے کائنات کے حقائق کا علم دے کر جنوں اور فرشتوں تک پر فضیلت دی گئی تاکہ وہ دنیا میں خدا کا نائب بن کر مشیت الٰہی کے منصوبوں کی تکمیل کرے اور ہستی کے اس امتحان میں کامیاب ہو کر بڑے سے بڑا انعام حاصل کر سکے۔ جیسا قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے جن کا حوالہ آیندہ سطروں میں دیا جا رہا ہے۔

یہ ہے اسلام کا نظریۂ حیات جو قرآن سے عیاں ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED
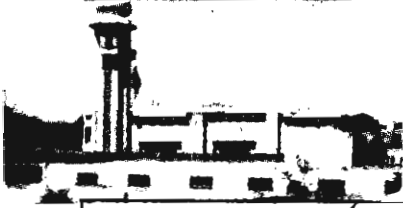
(۳۰ دسمبر) مولانا حامد الحق حقانی جو دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز کے پوتے اور مولانا سمیع الحق مدظلہ کے بڑے صاحبزادے ہیں کی شادی خانہ آبادی کی تقریب انعقام پذیر ہوئی حضرت شیخ الحدیثؒ کا وسیع حلقہ تلمذ وارادت ۔ دارالعلوم حقانیہ کے متعلقین اور خود مولانا سمیع الحق مدظلہ کے جماعتی و سیاسی اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے رفقاء کے حلقہ کی وسعت کے پیش نظر دو روز ۲۹، ۳۰ دسمبر کو دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا گیا مخصوص احباب اور سیاسی زعماء و ممبران پارلیمنٹ کے لیے اسلام آباد میں بھی مختصر تقریب کی شکل میں ولیمہ کا اہتمام کیا جا سکتا تھا مگر مولانا سمیع الحق مدظلہ کی خواہش تھی کہ یہ لوگ اسی مناسبت سے دارالعلوم حقانیہ آنے کے لیے سفر کریں اور دارالعلوم کی ہمہ گیر خدمات، شعبوں اور کارکردگی سے آگاہ ہوسکیں اس لیے یہ ولیمہ دارالعلوم کا ایک تاریخی اجتماع قرار پایا۔

۲۸ دسمبر ہی سے ملک بھر سے علماء و مشائخ جماعتی احباب اور دارالعلوم کے فضلاء و متعلقین دارالعلوم آنا شروع ہوئے ۲۹ دسمبر کو ایک علمی دینی اور روحانی منظر تھا ۳۰ دسمبر کو صدر مملکت جناب فاروق احمد خان لغاری سابق صدر غلام اسحاق خان موجودہ چیئرمین سینٹ و سابق صدر پاکستان جناب وسیم سجاد صاحب سابق و موجودہ وفاقی اور صوبائی وزراء، وزیر اعلیٰ سرحد پیر سید صابر شاہ، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو، عرب اور اسلامی ممالک کے کئی اہم سفارتکار، سابق و موجودہ ممبرانِ اسمبلی و سینٹ، جناب چوہدری شجاعت حسین، جناب سرتاج عزیز جناب اعجاز الحق - مولانا کوثر نیازی، جناب میر افضل خان، وزیر داخلہ جناب نصیر اللہ بابر، سرحد اپوزیشن رہنما جناب آفتاب احمد خان شیرپاؤ کئی سیاسی زعماء جناب نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا فضل الرحمان افغان رہنما مولانا محمد نبی محمدی، مولانا محمد یونس خالص مولانا جلال الدین حقانی مولانا قریب الرحمان سعید واستاد فرید نائبانِ جناب حکمت یار، جناب ضیائی صاحب، نائب استاد برہان الدین ربانی جب کہ خود استاد ربانی صدر افغانستان جناب حکمت یار صاحب وزیر اعظم افغانستان جناب سیاف صاحب اور جناب صدیق اللہ چکری وزیر اطلاعات نے آنے کا پختہ عزم کر رکھا تھا اور ان کی آمد کی اطلاع بھی تھی مگر اچانک جنگ چھڑ جانے کی وجہ

سے انہوں نے نائبین کو بھیج دیا۔ صحافیوں، دانشوروں الغرض حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے اکثر مقتدر شخصیات کی آمد سے دارالعلوم مختلف شخصیات کا بہترین سنگھم ہونے کا منظر پیش کر رہا تھا جو ہر لحاظ سے دیدنی تھا۔

ارباب اقتدار، حزب اختلاف اور دینی قوتوں کے قائدین نے جدید نو تعمیر شدہ سیمنار ہال میں ایک دستر خوان پر بیٹھ کر ایک ساتھ کھانا کھایا پھر سب نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی جامع مسجد میں دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق مدظلہ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی انہی صفوں میں صدر مملکت ارکان حکومت، اپوزیشن لیڈروں اور سیاسی زعماء بیرونی سفارتکاروں کے ساتھ علماء، مشائخ، اساتذہ، طلبہ اور عامۃ المسلمین نے بھی اکٹھی نماز پڑھی بارگاہ صمدیت میں محمود و ایاز یکجا سر بسجود تھے۔

مولانا سمیع الحق مدظلہ کی دعوت و لیمہ میں حکمت و دینی مصلحت کا سب سے اہم اور مفید ترین پہلو ایک یہ بھی تھا کہ صدر مملکت اور ارکان حکومت، ایک دینی مدرسہ، ایک دارالعلوم، علماء و مشائخ اور زہاد و فقراء کے جھونپڑے میں تشریف لائے اور بقول امام بخاری نعم الامیر علی باب الفقیر کا منظر تھا، ارباب حکومت و سیاست، نے دارالعلوم حقانیہ کے تمام شعبہ جات، تاریخ و کردار، نصاب تعلیم، نظام تربیت، اہداف اور مستقبل کے ممکن لائحہ عمل کو قریب سے دیکھا اور اس کے سمجھنے میں دلچسپی لی —— ملک و بیرون ملک کے طلبہ اور اساتذہ و علماء کی زیارت و ملاقات اور باہمی تبادلہ خیال سے علمی و دینی استفادہ کیا نجی مجالس میں یہاں کے علماء کو بحمد للہ تبلیغ و تفہیم، اظہار حق، اور اعلاء کلمۃ اللہ کا خوب خوب موقع ملا مسٹر اور ملا کی تفریق، حکمرانوں، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور علماء کے درمیان کے بُعد اور طویل فاصلوں کا ازالہ ہوا جس سے یقیناً ملکی استحکام، اور اسلامی سیاست کے غالب رجحان کی پیش رفت ہوئی اسلامی نظام کی ترویج اور نفاذ میں ایسے مراحل ضروری اور بعض حالات میں ناگزیر ہوتے ہیں۔

تقریب ختم بخاری

(۶ جنوری) جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ میں ختم بخاری کی تقریب منعقد ہوئی حسب معمول پہلے سے کسی باقاعدہ اعلان اور اطلاع کے بغیر ایک عظیم علمی و دینی اور روحانی اجتماع منعقد ہوا اس موقع پر ساڑھے تین سو سے زائد فضلاء اور اس سال حفظ القرآن مکمل کرنے والے بیسیوں حفاظ کرام کی دستار بندی کی گئی اجتماع میں دارالعلوم کے اکابر علماء و مشائخ اور اساتذہ و طلبہ کے علاوہ فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کے اقرباء و متعلقین اور ہزاروں کی تعداد میں عامۃ المسلمین نے شرکت کی ۵ جنوری کو رات گئے تک دور دراز علاقوں سے علماء، طلبہ، مشائخ اور فضلاء کے متعلقین وفود در وفود کی شکل میں آتے رہے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے دیگر اساتذہ کرام کی معیت میں رات کو تمام ہاسٹلوں، درسگاہوں اور جدید سیمنار ہال میں خود تشریف لے جا کر، آنے

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۲ پر)

یادِ رفتگان
خود نوشت سوانح

حضرت مولانا عبد اللطیف بالاکوٹیؒ

گزشتہ ماہ، بقیۃ السلف، بزرگ عالم دین، قافلہ ولی اللہی کے نڈر سپاہی حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب بالاکوٹی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم جید عالم دین، صاحبِ دل بزرگ تھے ملک میں نفاذ شریعت، اسلامی تعلیمات کے فروغ اور فرقِ باطلہ کے تعاقب میں ہر میدان میں اپنے اکابر کے ساتھ رہے تحریکِ نفاذِ شریعت بل، متحدہ شریعت محاذ متحدہ علماء کونسل متحدہ دینی کی تمام تحریکات میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا بھرپور ساتھ دیا دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ سے انہیں شرفِ تلمذ حاصل تھا وہ اس کو اپنے لیے افتخار سمجھتے تھے بادشاہی مسجد سرائے عالمگیر میں خطیب تھے وہیں درسگاہ قائم کی تعلیمی سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا مسجد کو تنگ دامنی کی شکایت ہوئی تو شہر سے باہر وسیع زمین پر عظیم جامعہ قائم کر دیا جو اب علاقے بھر کی ایک علمی و دینی مرکزی درسگاہ بن گئی ہے ان کے صاحبزادے حضرت مولانا جمیل احمد مدظلہ نے اُن کی اپنی خود نوشت مختصر سوانح بھیجی ہے ذیل میں وہی نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

میری سن ۱۹۲۰ء میں پیدائش اپنے آبائی گاؤں بھنگیاں تحصیل بالاکوٹ ضلع مانسہرہ ہزارہ میں ہوئی اڑھائی سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور والدہ محترمہ نے پرورش کی ۱۹۳۳ء میں تعلیم کی ابتداء کی۔ قلندر آباد کے قریب ایک گاؤں بنام بانڈی ڈھونڈاں کا گھر سے پہلا سفر تھا گلستان اور بوستان پڑھتا تھا۔ اس سے پہلے کی فارسی کی کتابیں اپنے دادا صاحبؒ میاں جمال الدینؒ سے پڑھی تھیں۔ وہ فارسی میں صاحب فن بزرگ تھے۔ اس وجہ سے مجھے اگلی کتابیں پڑھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ تقریباً چھ ماہ کے قریب وہاں رہ کر واپس شوہال معز اللہ خاں میں حضرت مولانا ولی اللہ صاحبؒ جو کہ بعد میں حسن ابدال بسلسلہ امامت تشریف لے گئے تھے۔ وہاں میں نے تقریباً سات سال کا عرصہ گزارا۔ اس وقت میں فقہ، فارسی، صرف اور نحو کا چرچا تھا میں نے اول آخر کتابیں اور فارسی ثانی آخر صرف ثانی آخر نحو ثانی آخر شرح جامی تک ان سے ختم کیں اور تقریباً ڈیڑھ سال ان کی نگرانی میں پڑھایا۔ بعد میں ان کی اجازت سے لاہور آیا اور مختلف مدارس میں گھوم کر تقریباً چھ ماہ کا عرصہ مشکل گزارا۔ بعد میں وہاں سے ضلع فیصل آباد میں ایک مدرسہ بنام پیر صلاح الدین صاحب مرحوم کا تھا جو کہ سنڈیاں والا اسٹیشن کے قریب تھا۔ وہاں حضرت مولانا محمد عظیم صاحبؒ جو کہ میانوالی شہر کے رہنے والے اور وہ واحد استاذ ہیں جو کہ ہر فن مولانا تھے ان کے پاس مشکوٰۃ شریف، شرح جامی اور ترمذی شریف پڑھیں۔ تقریباً دو سال کا عرصہ وہاں گزارا۔ بعد میں حضرت مولانا عبد الخالق صاحبؒ اس وقت نڑھال تحصیل کبیر والا میں پڑھاتے تھے۔ وہاں چلا گیا۔ ملا حسن صدرا سے شروع کیا میر زاہد جلال اور کچھ

قاضی ان سے پڑھا۔ بعد میں وہ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس اعلیٰ کے منصب پر تشریف لے گئے۔ تو باقی کتب امور عامہ شمس بازغہ حمد اللہ کی تکمیل حضرت مولانا علی محمد صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا سے کی۔ یہ نہایت قابل اور ان کے خصوصی شاگرد تھے۔

۱۹۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔ ترمذی شریف اور بخاری شریف کا کچھ حصہ حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ مرادآبادی سے پڑھا۔ باقی حضرت شیخ العلامہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ سے پڑھیں۔ ابوداؤد حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ سے، مسلم شریف حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ بلند شہری سے، نسائی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ سے، ابن ماجہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک والوں سے اور موطا امام محمد حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ سے پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھے نمبروں پر پاس ہوا۔ جب گھر آیا تو تقریباً سال بعد ملک تقسیم ہوگیا۔ میں نے راولپنڈی مسجد دندی والی رتہ امرال میں امامت اختیار کی اور وہاں یہ تھا کہ پرانی طرز پر تقریباً پینتیس ۳۵ یا چالیس ۴۰ کے قریب طلباء تھے۔ جن کو مختلف فنون کی کتابیں پڑھاتا رہا۔ ان کے کھانے کا بندوبست اسی محلہ کی وہ روٹیاں تھیں جن کو وہ جا کر ایک ایک ٹکڑا جمع کرتے تھے۔ تقریباً سات سال کا عرصہ گزر گیا تو میاں سے گھر واپس ہوگیا۔ وہاں جا کر کچھ عرصہ تجارت کا کام شروع کیا۔ اور اس عرصہ میں تدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

ایوبی دور میں بی۔ ڈی ممبری میں حصہ لیا۔ نہایت اعلیٰ درجہ پر کامیابی حاصل کی۔ لیکن یہ محسوس ہونے لگا کہ علم تو کجا بلکہ ایمان بھی تباہ ہو جاوے گا تو چھوڑ دی اور استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۶۱ء میں شاہی مسجد سرائے عالمگیر میں خطابت اختیار کی اور یہاں آنے کے بعد تقریباً چھ سال مولانا عبداللطیف صاحب جہلم والوں کے مدرسہ میں پڑھاتا رہا۔ بعد میں اس کو چھوڑ کر اپنے مدرسہ کا سلسلہ شروع کیا۔

سیاست میں طالب العلمی کے زمانہ سے تقسیم ملک کے عرصہ تک احرار میں کام کیا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے زیر سایہ ہر حکم کی تعمیل کی۔ جب مولانا غلام غوث صاحبؒ نے جمعیۃ علماء اسلام کو بنایا مفتی صاحبؒ اور ان درمیان اختلاف پیدا ہونے لگے تو خوب ان کی رضا کاری کی۔ جب دونوں اللہ کو پیارے ہوگئے تو حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہم کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ اور خود خدمت ہو سکی وہ کی۔ شروع سے لے کر کوئی ایسی دینی تحریک نہیں جس حصہ نہ لیا ہو۔ ذالک فضل اللہ۔
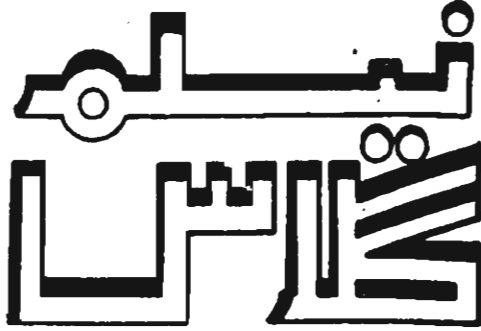
اپنی جہاز راں کمپنی

پی این ایس سی

کے

جہاز

سے مال بھیجئے

بروقت - محفوظ - باکفایت

پی - این - ایس - سی براعظموں کو ملاتی ہے - عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے - آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی - این - ایس - سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن

قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

SC 218 PID - Islamabad

PARAGON

ڈاکٹر برنارڈ لوئیس

عربوں کے احسانات یورپ پر

ایک حقیقت جس کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں

(۲)

۱۔ "عربوں کی تاریخ کا نمونہ" جو ابوالفرج کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ اس کے آخر میں عربی تاریخ، علوم وفنون ادب اور مذہب پر مختلف حیثیتوں سے نہایت تحقیق کے ساتھ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب مستشرقین کی ادبیات میں بہت اہمیت رکھتی ہے اور ایک زمانے تک اس کی بلند پایہ حیثیت کو عام طور پر تسلیم بھی کیا گیا۔ یہ آکسفورڈ میں پہلے پہل ۱۶۴۹ء میں اور پھر ۱۸۰۶ء میں طبع ہوئی۔

۲۔ لامیتہ العجم، یہ طغرائی کی مشہور عربی نظم ہے جسے ترجمہ، نقد وتبصرہ اور مفصل تشریحات کے ساتھ شائع کیا گیا۔ یہ ۱۶۶۱ء میں آکسفورڈ میں طبع ہوئی۔

۳۔ المختصر فی الدول، ابوالفرج کی تاریخ کا عربی متن ترجمہ کے ساتھ۔

پوکاک کی علمی زندگی اور اُس کے کارناموں نے یورپ میں علوم مشرقیہ کی تحقیقات کا نیا باب کھولا۔ اپنے زمانہ ہی میں اسے کافی شہرت حاصل تھی اور بعد کے مغربی علماء تو سب کے سب اس کے مرہون احسان ہیں۔ یورپ کے گوشہ گوشہ سے اہل علم اس سے امداد ومشورہ طلب کرتے تھے اور بہت سے ملکوں حتیٰ کہ رومانیہ تک کے طلبہ یورپ کے اس مسلم الثبوت استاد سے عربی پڑھنے آکسفورڈ آیا کرتے تھے۔ یورپ میں علوم عربیہ کا دوسرا قریب قریب اسی پایہ کا ماہر ایک ڈچ تھا جس کا نام گولیس (GOLiUS) تھا اور جو لیڈن (LEYDEN) یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا۔ پوکاک کے متعلق اس کا بیان ہے کہ جہاں تک علوم مشرقیہ کا تعلق ہے، پوکاک کے پایہ کا دوسرا عالم نہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ جن کے نام اوپر دیئے گئے ہیں، اُس نے بہت سے تحقیقی رسالے اور قلمی نسخے چھوڑے جو اس کے مرنے کے بعد آکسفورڈ کی باڈلین (BODLEiAN) لائبریری نے حاصل کر لیے اور آج تک موجود ہیں۔ یہ اس کتب خانہ کے شعبۂ عربی کا قابل قدر جزو ہے۔

اس نے اپنے بعد چھ لڑکے چھوڑے جن میں سے سب سے بڑے لڑکے کا نام بھی ایڈورڈ پوکاک تھا یہ ۱۶۴۸ء سے ۱۷۲۷ء تک زندہ رہا اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر تحصیل علوم مشرقیہ میں سے

مصروف رہا۔ اس کی شائع شدہ کتابوں میں عبداللطیف کی "تاریخ مصر" کا ناتمام نسخہ اور اس کا ترجمہ اور ابنِ طفیل کی ایک مشہور فلسفیانہ تالیف کا ترجمہ ہے۔

اسی طرح سترہویں صدی عیسوی میں انگلستان میں تحصیلِ علوم عربیہ کے سلسلے میں بہت نمایاں ترقی ہوئی۔ علومِ مشرقیہ کے اس تازہ ذوق وشوق کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مذہبی سبب بھی ایک اہم سبب تھا۔ اس زمانہ میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ عربی اور عبرانی میں بہت قریبی تعلق ہے۔ اس لیے یہ توقع تھی کہ عربی زبان حاصل کر لینے سے عہد نامۂ قدیم (توریت) کے متعلق مزید تحقیقات میں مدد ملے گی۔ اس سے بھی زیادہ اہم سبب عربی زبان اور عربی تاریخ کی عام تمدنی اہمیت کا روز افزوں احساس تھا۔ ایک صدی پہلے یورپ میں احیائے علوم کا وسیع معنوں میں دور دورہ تھا۔ اس سلسلے میں قدیم زبانوں اور ان کے متعلق تحقیقات سے نئی دلچسپی پیدا ہوئی۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ بنی نوع انسان کی تاریخ اور تمدن کا مطالعہ کرنے والوں کو عربی دنیا کی اس غیر معمولی اہمیت وحیثیت کا احساس ہوا جو اسے تاریخِ انسانی میں حاصل ہے اور انہوں نے اس تاریخی ذخیرے سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ بڈویل (BEDWELL) کیسٹل (CASTELL) اور پوکاک (POCOCKE) اِن سب نے عربی زبان کی عام اہمیت پر مضامین لکھے جن میں یہ بتایا کہ محققین کے لیے اس زبان کا حاصل کرنا کس قدر ضروری ہے۔

آخر میں ہمیں ان تجارتی اور سیاسی تعلقات کا جو انگلستان اور مشرقِ قریب کے درمیان از سرِ نو قائم ہوئے اور ان نئے مفادات اور مواقع کا جو اس طرح پیدا ہوئے ذکر کرنا چاہیئے۔ یہی اسباب تو تھے جن کی وجہ سے پوکاک دو مرتبہ مشرق کے پُرنتائج سفر کامیابی کے ساتھ انجام دے سکا۔ علوم مشرقیہ سے یہ نئی دلچسپی عام اور ہمہ گیر تھی۔ آرچ بشپ لاڈ (ARCHBISHOP LAUD) جیسی بلند مرتبہ شخصیت نے بھی انگلستان میں تحصیلِ علوم عربیہ کی توسیع وترقی میں بہت کوشش کی اور آکسفورڈ میں عربی تعلیمات کی پہلی کرسی قائم کرنے کے لیے مالی امداد بھی دی۔

اس طرح سترہویں صدی میں اس انتشار کے باوجود جو خانہ جنگی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا نمایاں علمی کارنامے انجام پائے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج میں تحصیلِ علوم عربیہ کے مرکز قائم کیے گئے۔ بہت سی کتابیں شائع ہوئیں اور ایک نیا علم پیدا ہوا جس کے جاننے والے بہت سے نامور علماء نے جو بعد کی صدی میں ظاہر ہوئے عربوں اور یورپ دونوں کے تمدنی ترکہ کو اپنی تحقیقات سے مالا مال کر دیا۔ ان کے متعلق ہم اگلی تقریر میں بحث کریں گے۔

اٹھارہویں صدی

انگلستان میں مشرقی علوم کا جو بیج سترہویں صدی میں بویا گیا تھا وہ چار سال بعد بارآور ہوا۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں آکسفورڈ اور کیمبرج میں پروفیسری کی دو نئی اسامیاں قائم کی گئیں اور اس طرح اب انگلستان کی ان دونوں یونیورسٹیوں کو عربی کی دو دو کرسیوں کی موجودگی پر فخر کرنے کا موقع حاصل ہو گیا۔ اس زمانہ کے نامور ماہرین علوم عربیہ کی تعداد اتنی زائد ہے کہ ہر ایک کا جداً جدا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ ہم صرف یہی کر سکتے ہیں کہ ہنٹ (HUNT) وہائٹ (WHITE) ہائڈ (HYDE) گیگنیئر (GAGNIER) براؤن (BROWN) والس (WALLIS) اور فورڈ (FORD) جیسے اٹھارہویں صدی کے چند علماء کا ذکر کر دیں۔ یہ سب کے سب اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ اور محققین شمار کیے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں چند علماء کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پریڈو (PRIDEAUK) نے جو ۱۶۴۸ء سے ۱۷۶۸ء تک زندہ رہا، سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب تالیف کی۔ چاپلو (CHAPPELOW) نے جو ۱۶۸۳ء سے ۱۷۶۸ء تک زندہ رہا، عربی صرف و نحو کی ایک کتاب تالیف کی۔ لامیۃ العجم اور عربی ادب کے سب سے زیادہ دقیق کتاب "مقاماتِ حریری" کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ کارلائل (CARYLE) نے ایک بغدادی سیاح سے کیمبرج میں عربی پڑھی اور بہت سی عربی نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ انگلستان میں اٹھارہویں صدی کے ماہرین علومِ عربیہ میں سے چار علماء کی علمی خدمات خاص اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ وہ انگریزی تمدن کے ترکہ کا وہ خاص حصہ ہے جس نے انگریزی ادیبوں کو عام طور پر بہت متاثر کیا۔

ان میں کا پہلا شخص سائمن اوکلے (SIMON OAKLEY) تھا جو ۱۶۷۸ء سے ۱۷۲۰ء تک زندہ رہا، اس نے کیمبرج اور آکسفورڈ دونوں جگہ عربی کی تعلیم حاصل کی اور نوجوانی ہی میں غیر معمولی ذہانت رکھنے والے طالبِ علم کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ آکسفورڈ کے مشہور ماہرِ علومِ عربیہ ایڈورڈ پوکاک کا شاگرد تھا جس کا ذکر پچھلی تقریر میں کیا جا چکا ہے۔

اوکلے اپنی ایک کتاب کے دیباچہ میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے استاد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "وہ فاضل و محترم ڈاکٹر پوکاک جن کی ذاتِ گرامی اس عہد اور اس قوم کے لیے باعثِ فخر و زینت ہے اور جن کی یاد میرے لیے قابلِ احترام ہے۔" اوکلے جو بالآخر کیمبرج میں عربی کا پروفیسر ہو گیا تھا، علوم عربیہ سے والہانہ شغف رکھتا تھا بلکہ اس نے مادی چیزوں سے غفلت برتنے کی وجہ سے اپنے اور اپنے بہت سے بچوں کو سخت عسرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ بہت سے مصائب اور ذاتی مشکلات کے باوجود اوکلے نے اپنا کام جاری رکھا اور اپنی کوششوں میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ تحصیل السنہ مشرقیہ کے لیے ایک عام مقدمہ اور ابنِ طفیل کی کتاب حی بن یقظان کے انگریزی ترجمہ کے علاوہ اوکلے کا خاص کارنامہ اسلام کی سیاسی و تمدنی تاریخ ہے جو اس نے تین جلدوں میں انگریزی زبان میں تالیف کی۔ اس کتاب کے ذریعہ

پہلے پہل اس امر کی کوشش کی گئی کہ انگریزوں کو عام پسند اور عام فہم زبان میں عربی تہذیب کے کارناموں سے روشناس کیا جائے۔ اس سے پہلے زمانے میں جو چند خاص ماہرین علوم عربیہ گزرے تھے، ان کی تالیفات سے صرف مخصوص ماہرین ہی واقف ہوتے تھے لیکن اوکلے نے پہلی بار علوم مشرقیہ کے سلسلے میں اپنی تحقیقات کے ثمرات انگلستان کے پڑھے لکھے لوگوں کے زیادہ وسیع حلقے کے سامنے پیش کیے جسے اس طرح اسلامی دنیا کے شاندار کارناموں سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل ہوگئی۔ گو اوکلے کی یہ تاریخ حال کی تحقیقات کے پیش نظر بعض حیثیتوں سے غلط اور فرسودہ ہے، تاہم اسے اپنے زمانہ میں ایک قابلِ قدر کارنامہ شمار کیا جاتا تھا اور یورپ کے اہلِ علم اور مؤرخین جن میں انگلستان کا مؤرخ اعظم گبن (GIBBON) بھی شامل ہے جس کی تاریخ "سلطنت روما کا زوال وخاتمہ" (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہے، اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس تالیف کی وجہ سے مؤلف کو انگریزی ادب میں مرتبہ دوام حاصل ہوگیا۔

اس زمانے کی ایک اور بڑی شخصیت جارج سیل (GEORGE SALE) کی ہے جو ۱۶۹۷ء سے ۱۷۳۶ء تک زندہ رہا۔ اسلام سے اسے اس قدر دلچسپی تھی کہ گبن نے جس، کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اُسے "نیم مسلم" بتایا ہے۔ گو یہ بیان شاید مبالغہ آمیز ہے، تاہم اس سے کسی حد تک یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ سیل کے بارے میں اُس کے معاصرین کی کیا رائے تھی۔ سیل کا پیشہ وکالت تھا۔ اُس نے فرصت کے اوقات میں عربی پڑھی اور عربی کتابوں کے قلمی نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ اس کا خاص علمی کارنامہ جو اس کی سب سے بڑی یادگار ہے، قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ ہے جو ۱۷۳۴ء میں شائع ہوا۔ یہ تمام یورپی زبانوں میں قرآن کا سب سے پہلا مکمل ترجمہ ہے۔ مسلمان اس کام کی عظمت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس سخت اور دشوار کام میں سیل کو اس حد تک کامیابی ہوئی کہ بہت سے ماہرین کا آج بھی یہ خیال ہے کہ قرآن کا اس سے بہتر ترجمہ موجود نہیں یہ اب تک لاتعداد بار طبع ہو چکا ہے اور آج بھی کثرت سے مستعمل ہے۔ فرانسیسی، جرمن اور پولستانی زبانوں میں قرآن پاک کے جو ترجمے ہوئے وہ سیل ہی کے انگریزی ترجمہ پر مبنی ہیں۔

سیل نے محض ترجمہ ہی پر اکتفا نہیں کی حالانکہ صرف اس کام کے لیے بھی بڑی علمی قابلیت کی ضرورت تھی۔ اس نے انگریزوں کے استفادہ کے لیے اپنے ترجمہ کے ساتھ ساتھ مفصل حاشیے اور شرحیں اضافہ کردیں تاکہ بعض مشکل عبارتیں اُن کی مدد سے صاف اور آسان ہو جائیں۔ اس ترجمہ کے ساتھ جو مفصل دیباچہ شامل ہے وہ اصل مذہب اسلام پر ایک مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے ادیبوں نے سیل کے ترجمے سے بہت کام لیا ہے، کیونکہ ان کے پاس اسلام کی

اس مقدس کتاب اور پیغمبر اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ایک یہی ذریعہ تھا۔ یورپ میں بھی اس کا بہت وسیع مطالعہ کیا گیا۔

والٹیر نے اپنی "لغت فلسفہ" (PHILOSOPHIC DICTIONARY) میں اس کا حوالہ دیا ہے سیل کی دوسری تصنیفات کے سلسلے میں بیل (BAYLE) کی انسائیکلوپیڈیا کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے جو دورِ جدید میں یورپ کی پہلی انسائیکلوپیڈیا خیال کی جاتی ہے اور جس کی تالیف میں سیل نے بھی ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ تمام مضامین جو اس کتاب میں عربوں کے متعلق ہیں اسی کے لکھے ہوئے ہیں۔

تیسرا اہل علم سر ولیم جونس (SIR WILLIAM JONES) ہے جو ۱۷۴۶ء سے ۱۷۹۴ء تک زندہ رہا۔ جونس علوم عربیہ کے مقابلے میں ہندوستانی علوم کے ماہر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جہاں تک یورپ میں ہندوستانی علوم کی تحصیل کا تعلق ہے، اسے اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ جیسے جیسے یورپی ممالک کے قدم مشرق میں آگے بڑھتے گئے۔ انگلستان اور فرانس میں روز بروز ہندوستانی چیزوں سے دلچسپی بڑھتی گئی اور یک بہ یک علمی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ ہندوستان اور انگلستان میں انگریز اہل علم نے سنسکرت کی پرانی کتابوں کا مطالعہ کیا اور سنسکرت زبان کے قواعد مدوّن کیے۔ اسی طرح انہوں نے علوم مشرقیہ کی ایک جدید شاخ کی بنا ڈالی جس نے ایک صدی بعد جرمنی اور دوسرے مقامات میں بہت فروغ پایا۔ اگرچہ سر ولیم جونس کا خاص کام ہندوستان سے متعلق تھا، وہ علوم عربیہ میں خاص قابلیت رکھتا تھا بلکہ سنسکرت سے بہت پہلے اس نے عربی شروع کی تھی۔ شاید اس کا ہندوستان کا سفر بھی کسی حد تک اسی دلچسپی کی بنا پر تھا جو اسے عربی زبان اور اسلام سے تھی۔ اسے بچپن ہی میں عربی سے لگاؤ پیدا ہو گیا تھا اور وہ اپنے طور پر اسے سیکھتا رہا۔ اس نے آکسفورڈ آکر عربی اور فارسی کا گہرا مطالعہ کیا اور وہ ایک شامی مسلمان کو اپنی تعلیم کے لیے لایا۔ عربی زبان کے متعلق اس کی خاص تالیف معلقات کا انگریزی میں کامل ترجمہ ہے جو زمانہ جاہلیت کے سات مشہور عربی قصائد پر مشتمل ہے اس طرح جونس نے انگلستان کے اہلِ علم کی بڑی خدمت انجام دی کہ انہیں قدیم عربی ادب کے ان جواہر ریزوں سے روشناس کیا۔ ہندوستان کے قیام کے زمانے میں یہی نہیں کہ اسے شرعِ اسلامی پر متعدد کتابیں شائع کرنے کا موقع ملا بلکہ اس نے ہندوستان کے متعلق بھی بہت سے تحقیقی رسالے شائع کیے۔

آخر میں ہم بہت اختصار کے ساتھ جے۔ ایل۔ برک ہارٹ (J. L. BURCKHARDT) کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں جو ۱۷۸۴ء سے ۱۸۱۷ء تک زندہ رہا۔ برک ہارٹ اصلاً سوئٹزر لینڈ کا باشندہ تھا۔ مگر اس نے انگلستان میں تعلیم پائی اور پھر یہیں سکونت اختیار کر لی۔ چند سال یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم

حاصل کرکے وہ حلب گیا جہاں رہ کر اُس نے عربی زبان میں کافی ملکہ حاصل کر لیا۔ اُس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ شام، مصر اور عرب کی سیاحت میں گزارا۔ وہ محمد علی پاشا کی خاص حمایت میں مکہ مکرمہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی خاص تالیفات وہ سفرنامے ہیں جو مشرق قریب میں اس کی سیاحت کے متعلق ہیں۔ اس کی کتاب "بدوی عرب اور وہابی (BEDUINS AND WAHABIS) جو ذاتی تجربات پر مبنی ہے، اُس اہم ترین تحریک کا صحیح اور مفصل بیان ہے جو کچھ ہی پہلے اپنی طاقت و وسعت کے پہلے دور میں اوج کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس نے ان عربی ضرب الامثال کا ایک بڑا ذخیرہ مدوّن کیا جو اس نے اپنی سیاحت کے دوران میں جمع کی تھیں اور عربی متن کے ساتھ ساتھ ان کا انگریزی ترجمہ مع شرح کے شائع کیا۔ اس کی کتابیں دور دور پڑھی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان کتابوں کا ترجمہ انگریزی سے یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہوا۔ ۱۸۱۷ء میں مصر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اٹھارہویں صدی کا آخری حصّہ وہ دور ہے جس میں مشرقی تہذیب کے متعلق مغرب میں بہت دلچسپی پائی جاتی تھی۔ ایشیا میں روز بروز یورپی اثر کے بڑھنے اور ان ترجموں کی وجہ سے جو ان علمار کے علاوہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ بہت سے دوسرے علمار نے عربی اور فارسی زبانوں سے کیے۔ انگلستان کے اکثر ادیب عربی ادبیات سے واقف ہو گئے۔ الف لیلے کے اس ترجمہ کا بھی کافی اثر پڑا جو یورپی زبان میں پہلے پہل ہوا اور اس صدی کے آغاز میں شائع ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپی ادب میں مستشرقیت (ORIENTALISM) کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انگریز شاعر اور مصنفین نے عربی و فارسی ماخذوں کو پیش نظر رکھ کر مشرقی موضوع پر قصے کہانیاں تیار کرنی شروع کر دیں۔ یہ تحریک انگلستان کے علاوہ یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی پھیل گئی اور وہاں اس کی وجہ سے رومانیت کا احیار (ROMANTIC REVIVAL) عمل میں آیا۔ جرمن شاعر اعظم گیٹے (GOETHE) مشرقی کتابوں کے انگریزی اور فرانسیسی ترجموں سے بہت متاثر ہوا۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں فرانسیسیوں نے نپولین کی سرکردگی میں مصر پر حملہ کیا تھا اور اس طرح عربی تمدّن رکھنے والے ایک ملک سے اُن کا براہِ راست تعلق ہو گیا۔ اس کے علاوہ تحصیل علومِ عربی کی تحریک میں اس وجہ سے بھی نیا زور پیدا ہو گیا کہ چند سال بعد محمد علی پاشا کی قیادت میں مصر ایک طاقتور اور عملاً مستقل حکومت کی حیثیت سے نمودار ہوا اور یورپی سیاسیات میں اہم حصّہ لینے لگا۔ اس طرح ہم انیسویں صدی میں پہنچ جاتے ہیں جو ہماری آئندہ تقریر کا موضوع ہو گا۔

الحاج اقبال احمد خان صاحب سہیل ملتان

رمضان المبارک

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں رمضان المبارک کی برکتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ اور خوش قسمت ہے وہ امت جسے رحمت و برکت کا یہ ذخیرہ عطا فرمایا گیا جس کی ایک شان یہ ہے کہ :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ۔

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل فرمایا گیا (اور قرآن کریم کی شان یہ ہے) کہ وہ لوگوں کے لیے سراپا ہدایت اور ہدایت کی واضح دلیلوں پر مشتمل ہونے کے ساتھ حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی کتاب ہے۔

اسی شان کا بیان دوسرے عنوان سے دیکھئے :۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔

ہم نے اُسے (قرآن کریم کو) لیلۃ القدر میں نازل فرمایا اور خبر بھی ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے لیلۃ القدر ہزار ماہ سے برتر بہتر ہے۔

اس بیان نے اس ماہ مبارک کی ایک دوسری فضیلت کی نقاب کشائی کردی۔ اور بتا دیا کہ اس ماہ مبارک میں کتاب حکیم کا نزول ہوا۔ اس فضیلت ہی کی عظمت تصوّر سے زیادہ ہے چہ جائیکہ اسے یہ فضیلت عظیمہ بھی حاصل ہے کہ اس میں لیلۃ القدر بھی ہے جو بہت بابرکت اور پر از رحمت رات ہے۔ قرآن کریم سراپا ہدایت و نور ہے پھر جس ماہ میں اس نور عظیم کا ظہور ہوا اس کی نورانیت، فضیلت اور برکت کا کیا کہنا اس نور کو حاصل کرنے اور اپنے قلب کو اس سے منور کرنے کا طریقہ شریعت اسلامیہ نے یہ بتایا ہے کہ ایک وقت معین کے لیے اپنی جائز خواہشوں پر بھی پابندی لگاؤ، یہ حجابات جب ہٹ جائیں گے تو قلب نور رمضان اور نور قرآن سے روشن ہو جائے گا۔

عبد و معبود کے درمیان ایک راز

ہم عبد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے معبود۔ ہم مملوک ہیں اور وہ مالک۔ اور ہم مخلوق ہیں وہ خالق۔ اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اُن کے کسی بندے کے درمیان کوئی ایسا راز ہو جسے حق تعالیٰ اور اس بندے کے سوا کوئی نہ جانتا ہو تو یہ شہنشاہ حقیقی کی کتنی بڑی بندہ نوازی اور کرم گستری ہوگی اس نعمت عظیمہ کا حق تو ہزار بار جان نثار کرنے پر بھی نہیں ادا کیا جا سکتا۔ اسے

ذہن میں مستحضر فرما کر مندرجہ ذیل حدیث پر غور کیجئے۔

کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف قال الله تعالیٰ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ شریف)

ابن آدم کے ہر عمل (کا ثواب) بڑھا دیا جاتا ہے ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو نیکیوں کے برابر تک ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صوم اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے کیونکہ صوم خاص میرے ہی لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کروں گا۔

جملہ عبادات میں "صوم" ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سے "صائم" اور اللہ تعالیٰ شانہ کے سوا کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ علی الاعلان کھانے پینے سے احتراز تو مخلوق کے خوف سے ہو سکتا ہے مگر خلوت میں کھانے پینے سے کیا مانع ہے؟ اور فرض کیجئے کہ آپ دن بھر کسی کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہے اور اسے صائم پایا مگر اس کی ضمانت کیا ہے کہ اس کی نیت بھی درست تھی؟ ہو سکتا ہے کہ اس نے ازراہ ریاکاری آپ کے سامنے مفطرات صوم سے احتراز کیا ہو اور اگر خلوت میسر ہو جاتی تو کھا پی لیتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ صوم درحقیقت عبد و معبود کے درمیان ایک راز ہے۔ صائم جب تنہائی اور خلوت میں بھی صائم ہی رہتا ہے تو اس کے اخلاص میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں لیکن اس کے اس اخلاص کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور خود صائم کے سوا کوئی دوسرا بندہ نہیں جان سکتا۔ بندہ مومن کی عزت افزائی اور اس کی عظمت کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ اور دنیا کے کسی پیمانے سے اس کی قدر و منزلت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اسی لیے فرمایا کہ فانہ لی۔ بے شک صوم مخصوص طور پر میری ہی رضا جوئی کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی صائم ہمیشہ مخلص ہوتا ہے۔ یہ اخلاص بندے اور معبود کے درمیان ایک راز ہے اس لیے اس کی جزا بھی راز میں رکھی گئی اور فرمایا گیا "وانا اجزی بہ" میں ہی اس کی جزا عطا کروں گا۔ کیا جزا ہوگی؟ جزا دینے والے کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اتنا معلوم ہے کہ جزا عطا فرمانے والے کریم مطلق ہیں۔

مغفرت ذنوب

انسان کا سب سے اہم مسئلہ معاملہ آخرت ہے۔ گناہ مصائب آخرت کا سبب ہیں، نجات و فلاح کا ایک ہی راستہ ہے اور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان مغفرت و رحمت ہماری طرف متوجہ ہو جائے۔ رمضان المبارک میں یہ نعمت عظمیٰ بھی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومن قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومن قام

جس مومن نے بہ نیت ثواب رمضان کے روزے رکھے اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جس مومن نے رمضان میں بہ نیت ثواب قیام کیا (مراد تراویح) اس کے بھی پچھلے گناہ صاف ہو جاتے ہیں اور

لیلۃ القدر ایمانا وّ احتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص مومن ہو اور ثواب و رضائے الٰہی کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کرے (نماز پڑھے) اس کے بھی سب پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ف :- مغفرت ذنوب میں تفصیل یہ ہے کہ صغائر تو ان اعمال صالحہ سے بغیر توبہ بھی معاف ہو جاتے ہیں مگر کبائر توبہ کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ کسی صغیرہ پر اصرار یعنی اسے بار بار کرنا جب کہ بیچ میں توبہ بھی نہ کرے اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ حکم حقوق اللہ کا ہے حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق کا حق نہ ادا کیا جائے یا وہ معاف نہ کر دے اسی طرح جس معصیت کی تلافی ہو سکتی ہے وہ بغیر تلافی صاف نہ ہوگی۔ مثلاً جس شخص نے فرض نمازیں ترک کی ہیں ان کے ترک کا گناہ اس وقت تک معاف نہ ہوگا جب ان نمازوں کی قضا نہ پڑھ لے۔ جب قضا پڑھ لے گا تو ادائے فرض میں تاخیر کا گناہ برکت رمضان کی وجہ سے معاف ہو جائے گا۔

دو فرحتیں فرحت و مسرت ہر انسان کو مطلوب ہے۔ روزہ مفرح بھی ہے اس کی برکت سے ایک فرحت نقد حاصل ہوتی ہے اور ایک اُدھار جو اس دن حاصل ہوگی جب اس کی شدید ترین حاجت ہو گی اور یہ جنس گرانمایہ کم یاب بلکہ تقریباً نایاب ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے۔

فطرہ وفرحۃ عند لقاء ربہ۔ (مشکوٰۃ)

افطار کے وقت اور ایک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت۔

دو اور بشارتیں اسی حدیث کا ایک جزیہ بھی ہے۔

ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک والصیام جنۃ (مشکوٰۃ)

اور روزہ دار کے مُنہ کی بُو (جو خلوئے معدہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور روزے ڈھال ہیں۔

چونکہ یہ بُو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ بھی مقبول اور پسندیدہ ہے جس طاعت وعبادت کا غیر اختیاری اثر بھی مقبول و پسندیدہ ہو تو خود اس عبادت وطاعت کا درجہ کتنا بلند ہوگا! صوم کی دوسری خاصیت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ سپر اور ڈھال کا کام دیتا ہے یعنی دنیا میں شیطان کے حربوں کو روکتا ہے اور صائم کو معصیت سے بچاتا ہے اور آخرت میں یہ عذاب جہنم سے بچائے گا۔ "جنۃ" (سپر) ہونے کے یہی معنی ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہونا ممکن ہے کہ روزے دار بھی تو گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے سپر تو اسی وقت دشمن کا وار روکتی ہے جب اس سے جسم کو چھپایا جائے۔ جو خود سپر انداز ہو جائے اور اس کی آڑ نہ لے اس کی حفاظت کی ذمہ داری سپر پر عائد نہیں ہوتی۔ صوم سے جو قوت شیطان کے مقابلے اور معاصی سے تحفظ کی حاصل ہوتی ہے اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو تحفظ کی توقع فضول ہے۔ کام لینا اپنا کام ہونا ہے جو اختیاری ہے۔ حالت صوم میں گناہ اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی اس قوت سے کام نہیں لیتا۔ اور روزہ صرف ترک اکل و شرب کو سمجھتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ جو گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں وہ سب کے سب ترغیب شیطان ہی کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ ان میں سے کثیر تعداد خود ہمارے نفس کی شرارت کی رہین منت ہوتی ہے۔ صوم شیطان کے وار روکتا ہے مگر خود نفس جب اس سے بغاوت کر دے تو اسے زیر کرنے کے لیے خود صائم کی قوت ارادی کی حاجت ہوتی ہے۔ روزہ دار گناہ سے احتراز کا عزم صمیم نہ کرے تو صوم کی قوت مدافعت بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ بطور مثال دوا کا معاملہ سامنے رکھئے اور غور کیجئے کسی دوا کے متعلق طبیب حاذق بتاتا ہے کہ یہ بہت سے امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ مگر مریض اسے کھاتا ہی نہیں یا کھاتا ہے مگر بدپرہیزی بھی کرتا ہے تو نتیجہ ظاہر ہے۔ ایسا شخص اگر کسی مرض میں مبتلا ہو جائے تو تعجب نہیں اس صورت میں مورد الزام خود ہوگا۔ نہ کہ دوا۔

ایک اور اشکال اور اس کا حل

بیان مذکورہ کے ایک حصے سے ایک دوسرا اشکال بھی دور ہو جاتا ہے جو رمضان ہی کے متعلق مندرجہ ذیل حدیث دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

انہ کم رمضان شہر مبارک فرض اللہ علیکم صیامہ فتح فیہ ابواب السماء و تغلق فیہ ابواب الجحیم و تغل فیہ مردۃ الشیاطین للہ فیہ لیلۃ خیر من الف شھر من حرم خیرھا فقد حرم۔

(مشکوٰۃ شریف)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مبارک مہینہ آگیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض فرمائے ہیں اس میں آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور اس ماہ میں سرکش شیطانوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیا جاتا ہے (یعنی انہیں قید کر دیا جاتا ہے) اس میں ایک رات ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار ماہ سے بہتر ہے جو اس رات کی برکت سے محروم رہا وہ بڑا محروم ہے۔

ایک روایت میں "صفدت الشیاطین و مردۃ الجن" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شیاطین اور سرکش جنوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں فتحت ابواب الجنۃ " ہے یعنی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی شیاطین رمضان میں آزاد نہیں رہتے نہ بلکہ مقید کر دیئے

جاتے ہیں۔ اس پر بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں؟ اگر خود نفس کی شرارت کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو اشکال حل ہو جاتا ہے۔ رمضان میں جو گناہ ہوتے ہیں وہ ترغیب شیطان کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ خود اپنے نفس کی شرارت و سرکشی کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگرچہ شیاطین مقید ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کے اثرات نفس انسانی میں کچھ نہ کچھ باقی رہ جاتے ہیں۔ آپ انگیٹھی میں آگ سلگائیے اور تھوڑی کے بعد دہکتے ہوئے انگاروں کو نکال کر پھینک دیجئے خالی انگیٹھی بھی دیر تک گرم رہے گی یہ انہیں انگاروں کا اثر ہے۔ اسی طرح شیطان نفس پر جو اثر گیارہ ماہ تک ڈالتا رہتا ہے وہ اس کی عدم موجودگی کی حالت میں بھی کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے یہ اثر نفس کی بہیمیت کے تعاون سے صدور معصیت کا سبب بن جاتا ہے تاہم یہ بات بدیہی ہے کہ رمضان میں شیطان کا اثر نسبتاً کمزور ہو جاتا ہے دوسری طرف صوم قوت بہیمیہ کا زور توڑ کر اور نفس کی ملکوتیت کو قوی کر کے قوت مقاومت پیدا کرتا ہے۔ اگر ہمت اور قوت ارادی سے کام لیا جائے تو رمضان المبارک میں صدور معصیت ناممکن ہے۔

تنزیہ صوم موٹی سی بات ہے کہ صوم میں بعض جائز اور مباح خواہشوں پر عمل کرنے کی بھی ممانعت ہو جاتی ہے بلکہ صوم کے معنی ہی یہ ہیں کہ مومن کھانے، پینے اور جنسی خواہش کرنے سے احتراز کرے۔ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک یہ پابندی اس پر عائد ہوتی ہے۔ اور غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک یہ پابندی اُٹھا لی جاتی ہے اور تینوں باتیں حسب سابق حدود شرعیہ کے اندر جائز ہو جاتی ہیں۔ جب مباحات پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے تو اسکی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آدمی بحالت صوم کسی گناہ کا مرتکب ہو؟ گناہ تو ہر زمانہ میں گناہ اور مذموم ہے لیکن رمضان میں گناہ اور زیادہ مذموم اور قابل ملامت ہے یہی وجہ ہے کہ رمضان شریف میں خصوصاً بحالت صوم گناہ کی شناعت زیادہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں اس کی سزا بھی دوسرے زمانے کے گناہوں سے زیادہ ہوگی، ماہ صیام کے دن جس طرح روشن ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کی راتیں بھی منور ہوتی ہیں۔ معصیت کسی وقت بھی صادر ہو عذاب آخرت میں اضافہ ہوگا۔ البتہ معصیت بحالت صوم کی صورت میں کمیت یا کیفیت عذاب میں مزید اضافہ ہو جائے تو کیا تعجب ہے؟ عذاب بالائے عذاب یہ ہوگا کہ صوم شرف قبول کے حصول سے محروم رہے گا اور فریضہ ادا ہو جانے کے باوجود اجر آخرت سے محروم رہے گی یہ کتنا بڑا خسارہ ہے؟ تشریح کی حاجت نہیں۔ بخاری کی روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔

(مشکوٰۃ شریف باب تنزیہ الصوم)

مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کا روزہ بارگاہ الٰہی سے خلعت قبول نہیں پا سکتا۔ اگرچہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ ترک فرض کے عذاب سے وہ بچ جائے گا۔ مگر فرض کی حق تلفی اور اس میں خیانت کے عذاب میں مبتلا اور برکات صوم سے محروم رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے احکام کا تعلق ظاہر اور باطن دونوں کے ساتھ ہے۔ ظاہر کے صوم کے ساتھ باطن کے صوم کا بھی حکم ہے۔ شریعت کے نزدیک حقیقتاً صائم وہ ہے جس کے جسم کے ساتھ اس کی روح بھی صائم ہو، صوم کے ساتھ معصیت کا ارتکاب ایسا ہی ہے جیسے صحت بخش دوا کے ساتھ کوئی شخص زہر بھی کھاتا رہے۔ احتیاط تو ہمیشہ ہی کرنا چاہیئے لیکن رمضان میں خصوصیت کے ساتھ ہر قسم کی معصیت سے بچنے کا اہتمام کرنا لازم ہے۔ خصوصیت کے ساتھ زبان اور نگاہ کی حفاظت کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ ان سے صادر ہونے والے گناہ بظاہر بہت خفیف مگر مآل کار کے اعتبار سے سخت خطرناک اور مہلک ہوتے ہیں۔ ان معاصی میں غیبت مخصوص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ ہلاکت خیز گناہ وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا ہے یہاں تک کہ بکثرت دیندار بھی اس میں مبتلا ہیں۔ اس سے بہت بچنا چاہیئے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں زبان کے بعض گناہوں کی طرف مخصوص طور پر متوجہ فرمایا گیا ہے۔

واذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی صائم۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب الصوم)

اور تم سے کسی کا روزے کا دن ہو تو اس پر لازم ہے کہ فحش اور گندی باتیں نہ کرے، اور فضول چیخ پکار سے پرہیز کرے اگر کوئی اسے سخت سست کہے یا اس سے لڑنے جھگڑنے لگے تو اس سے کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں (یعنی میں لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتا کیونکہ صائم ہوں)

یہ ان گناہوں کی تخصیص نہیں۔ ان کا تذکرہ اس لیے فرمایا گیا کہ ان میں ابتلا زیادہ ہوتا ہے ان کا تذکرہ بطور نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ درحقیقت ہر قسم کے گناہ سے احتراز واجب و لازم ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر، تلاوت کلام الٰہی اور استغفار کی کثرت کی جائے تو نور علیٰ نور ہے اگر تقویٰ اور احتیاط، نیز کثرت عبادت و طاعات کے ساتھ یہ ماہ مبارک گذار لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان سے قوی تعلق پیدا کرنے کی نیت کی جائے تو اس کے برکات عظیمہ یقیناً حاصل ہوں گے۔ اور ایسے حاصل ہوں گے کہ انشاء اللہ ان میں سے بعض کا ادراک تو ہر اس شخص کو ہوگا جو اس ماہ مقدس کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سب مسلمانوں کو اس کا حق ادا کرنے اور اس کے برکات سے پورے طور پر فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

جناب ضیاء الدین اصلاحی

تنظیمِ آزادی فلسطین اور اسرائیل معاہدہ کی حقیقت

پسِ منظر، پیش نظر

فلسطینیوں اور عربوں کے علاقے میں مغربی ممالک کی سرپرستی میں اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی وہ استعماری اور ڈھیٹ ہے کہ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی پرواکئے بغیر توسیع پسندی کی پالیسی پر گامزن اور ہر قسم کی جارحیت کا مرتکب ہوتا رہا، اس نے عربوں کے مزید علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کردیں اور مغربی ملکوں کی اسرائیل نوازی کی وجہ سے عربوں کو شکست ہوتی رہی، اسرائیل نے مصر کو سینا اور غزہ پٹی سے بے دخل کیا، اردن سے دریائے اردن کا مغربی کنارہ اور مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس چھین لیا اور شام سے جنگی اہمیت والی گولان کی پہاڑیاں لے لیں، لبنان کو تباہ کرڈالا اور فلسطینیوں کی قسمت میں دربدر کی ٹھوکر اور قتل عام آیا، ان کے خون سے جنوبی لبنان، جریکو کے نواحی علاقے اور غزہ پٹی کے ریگستان لالہ زار ہوگئے اور جب ڈنبائے عرب بھی ان کے لیے تنگ ہوگئی تو تیونس کا دور دراز علاقہ آزادیٔ فلسطین کی تحریک کا مرکز بنا۔

پچاس برس سے فلسطینیوں کی رات شاخِ آہو پر تھی، اب ساقیٔ مغرب کی تازہ روشِ لطف و ستم سے ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو ان کے اور اسرائیل کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رو سے انہیں غزہ پٹی اور اریحا میں داخلی خود مختاری ملے گی اور اگر انہوں نے معاہدہ کی شرطوں کی پابندی کی تو کچھ ڈالروں کی سوغات اور بعض مزید رعایتیں بھی ملیں گی، اس طرح فلسطین کے آٹھ ہزار نو سو نوے مربع میل رقبہ سے صرف ایک سو چھیالیس مربع میل فلسطینیوں کو واپس ملے گا اور اس میں بھی یہودیوں کی نوآبادیاں موجود رہیں گی اور باقی حصوں پر اسرائیل کا قبضہ برقرار رہے گا، جس پر آزادی فلسطین تنظیم کے لیڈر مسٹر یاسر عرفات بہت مگن ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ فلسطین کی مکمل آزادی اور یروشلم کی بازیابی کی طرف پہلا قدم ہے، پتہ نہیں یہ ان کی خود فریبی ہے یا وہ فلسطینیوں کو طفل تسلی دے رہے ہیں کیونکہ اسرائیلی وزیر اعظم نے کہا ہے کہ انہیں یروشلم اور آزادیٔ فلسطین کو بھول جانا چاہیئے اور انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ ان کے اور مسٹر اسحاق کے درمیان یروشلم پر بنیادی اختلاف ہے، دراصل ان پر اسرائیل اور تثلیث کے فرزندوں کا جادو چل گیا ہے اور وہ ان کی سازش اور فریب کا شکار ہوئے ہیں اور فلسطینی معمولی مراعات کے نتیجہ میں جنگ کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دینے کے لیے مجبور کردیے گئے ہیں۔

جدوجہد، قربانی اور حسن عمل کبھی رائگاں نہیں جاتا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ، لیکن فلسطینیوں کی
اب تک کی عظیم الشان قربانیوں کو اس معاہدہ نے رائگاں کر دیا، عام اور ظاہر بین نگاہوں کو تو ان کی قربانیاں پہلے
ہی بے نتیجہ معلوم ہو رہی تھیں کیونکہ ان کا کوئی حاصل محسوس طور پر انہیں نظر نہیں آتا تھا بلکہ الٹے ان کی پریشانیاں روز بروز
بڑھتی جا رہی تھیں یہاں تک کہ وہ اپنی جدوجہد میں بالکل تن تنہا رہ گئے تھے، مصر بہت پہلے ہی اسرائیل سے سمجھوتہ کر چکا
تھا جس کے بعد وہ عرصہ تک عربوں میں مطعون رہا مگر اب اسی کے نقش قدم پر اردن، شام اور لبنان بھی گامزن ہیں،
دوسرے مسلم ملکوں کو بھی جو امریکہ کے زیر اثر اور دباؤ میں ہیں اس معاہدہ کو ماننے اور اسرائیل کو تسلیم کرتے ہی بنے گی۔

مغرب کے شعبدہ بازوں نے عرب قومیت اور نیشنلزم کا صور پھونک کر مسلمانوں کو اسلام سے بے گانہ کر دیا ہے
اور ان کی حکومتوں کے ٹکڑے کر کے انہیں کمزور اور بے دم بنا دیا ہے جن کی سرکوبی کے لیے اسرائیل کو پوری طرح
مسلح اور مضبوط کر دیا ہے، یاسر عرفات جیسے سوشلسٹ اور سیکولر لیڈر کا اصل سہارا ماسکو تھا جو اب قصہ پارینہ چکا ہے
ان حالات میں انہوں نے ساحرِ الموت کے برگ حشیش اور غریبوں کو دی جانے والی اہل ثروت کی زکوٰۃ کو بھی نعمت
غیر مترقبہ سمجھا اور چند کلیوں پر قناعت کر کے قبلہ اول کی بازیابی کو خواب و خیال اور اسرائیل کو ایک تسلیم شدہ حقیقت
بنا دیا، ان کے اس اقدام سے اسلام کے فدائی فلسطینیوں میں جن کو بنیاد پرست کہا جاتا ہے شدید بے چینی پائی جاتی
ہے اور اندیشہ ہے کہ اسرائیل کو نیست و نابود کر دینے کا عہد کرنے والے کہیں خانہ جنگی میں پڑ کر خود کو نیست و
نابود نہ کر ڈالیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۲ سے)

والے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور خدام و منتظمین کو ان کی ممکنہ راحت رسانی کی ہدایات کیں۔

صبح نو بجے سے ظہر کی نماز تک خود طلبہ کی جانب سے ان کے اپنے اپنے علاقائی اور قومی روایات
کے مطابق مختلف احاطوں میں تقریبات ہوئیں ہر تقریب ایک کانفرنس تھی۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے طلبہ کے شدید اصرار پہ ہر ہر تقریب میں جا کر مختصر خطاب فرمایا اور حالات اور
موقع و محل کی مناسبت سے ہدایات دیں ظہر کے بعد جامع مسجد دارالعلوم میں جب تقریب ختم بخاری کا آغاز ہوا تو
مسجد سے باہر کے ملحقہ چمن، دارالعلوم کے احاطوں، گیلریوں، اور ملحقہ سڑک کے کناروں کو اپنی تمام تر وسعتوں کے
باوصف تنگ دامنی کی شکایت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کا ایک سیلاب ہے جو امڈ آیا ہے شیخ الحدیث
حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی نے بخاری شریف کا آخری درس دیا مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اختتامی
خطاب فرمایا جو اسی شمارہ میں شریک اشاعت ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی دعا پر یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

جناب ضیاء الدین لاہوری

سرسیّد کی تعلیمی تحریک کا طبقاتی محور

سرسید احمد خاں نے تعلیم کی ترویج میں جو مثالی جدوجہد کی وہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کے لیے آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں مدرستہ العلوم کے لیے علی گڑھ کا قیام تجویز کرنے کے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ "مسلمانوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا تجویز ہوا تو میں نے علی گڑھ کو اس کے لیے پسند کیا۔ علی گڑھ میرا وطن نہیں تھا اور نہ وہاں سے مجھ کو کچھ تعلق تھا مگر صرف اس خیال سے کہ وہ ایسا مقام ہے جو چاروں طرف سے مسلمان رئیسوں سے گھرا ہوا ہے، میرٹھ، بلند شہر، مظفر نگر، سہارن پور، آگرہ، ایٹہ اور ایک بہت بڑا مخزن مسلمان رئیسوں کا یعنی روہیل کھنڈ، جس میں معزز خاندانوں کے لوگ بستے ہیں، اس سے ملے ہوئے ہیں اس لیے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے علی گڑھ نہایت مناسب مقام ہے۔" [۱]

مسلمان رئیسوں سے گھرے ہوئے اس مقام پر مدرسہ قائم کرنے میں کیا خاص مصلحتیں کارفرما تھیں؟ اس کا ذکر انہوں نے متعدد تقریروں میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ قوم کی حالت پر نگاہ ڈالتے تھے تو انہیں یہ دیکھ کر گہرا دکھ ہوتا تھا کہ اس قوم کے "جو امیر ہیں ان کے لڑکے ماماؤں اور اناؤں کے لڑکوں اور خدمت گاروں کے لڑکوں کی صحبت پلتے ہیں۔ جب اور کچھ بڑے ہوتے ہیں اور ان کا دل کسی قسم کے ولولوں کے پیدا کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ تو اور قسم کے بدرویہ اور بداطوار لوگ ان کے گرد ہوتے ہیں، وہی اُن کے مصاحب اور وہی ان کے دلی دوست شمار کیے جاتے ہیں۔" [۲] اپنے ایک خطاب میں ان خیالات کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

"میں نے بڑے بڑے امیروں کے بچے دیکھے ہیں۔ وہ نوکروں کے لونڈوں، اور اگر وہ نہیں تو، بازاری لونڈوں کی صحبت اٹھاتے ہیں۔ گالی گلوچ، بُرے الفاظ، بداخلاقی کی باتیں، خراب عادتیں سنتے، دیکھتے اور سیکھتے ہیں، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔" [۳]

اسی کیفیت کو قوم کے لیے باعثِ شرم قرار دے کر وہ رؤسا اور امرا سے اکثر جذباتی انداز میں یوں مخاطب

---

[۱] مکمل مجموعہ لکچرز صفحہ ۲۸۵ [۲] ایضاً صفحہ ۱۸۰ [۳] سفرنامہ پنجاب صفحہ ۲۵۹

ہوتے تھے ۔

"میں پوچھتا ہوں کہ آپ صاحبوں نے اپنی اولاد کے اخلاق درست کرنے کی کیا تدبیر کی ہے؟ کیا آپ کے لڑکوں کے ساتھ آپ کے سائیس کے لونڈے نہیں کھیلتے یا ماماؤں اور ان کے لڑکوں میں آپ کے لڑکے نہیں کھیلتے؟ کیا اپنے لڑکوں کو بازاری لونڈوں کی صحبت سے بچانے کے لیے آپ کچھ فکر فرماتے ہیں؟ ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ کچھ نہیں ۔ وہی بداخلاقی، بدزبانی، کمینہ عادت جو ان کمینہ لونڈوں سے آپ کے لڑکے سنتے اور دیکھتے ہیں وہی وہ بھی سیکھتے ہیں اور وہی بداخلاقی ان میں اثر کر جاتی ہے۔" [۱]

اہلِ ثروت افراد کے جو لڑکے سکولوں میں باقاعدہ تعلیم پاتے تھے سرسیدؒ اُن سے بھی مطمئن نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ "اگر لڑکے کسی گورنمنٹ سکول میں پانچ گھنٹہ تعلیم پاکر آتے ہیں تو ان کا باقی حصۂ زندگی کا، جو بالکل سادہ اور مثل ایک پودہ کی نرم شاخ کے ہوتا ہے کہ جس طرح چاہو ٹیڑھی یا سیدھی کر سکو، کس طرح بسر ہوتا ہے ۔ گھر کے نوکروں کی صحبت، گلیوں میں بازاری لونڈوں کے ساتھ کھیلنا، ان کی صحبت میں بداخلاقی کی باتیں سیکھنا اور فحش اور بداخلاقی کے الفاظ جو وہ لونڈے بولتے ہیں اُن کو سُننا اس قسم کے غارت کن رذائل میں ان کی زندگی کا پاک حصہ بسر ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ فرشتہ صورت ہوتے شیطان سے بدتر اُن کے اخلاق ہو جاتے ہیں۔" [۲]

سرسیدؒ کے خیال میں "ایک لڑکا جو چند گھنٹہ ماسٹر کے سامنے پڑھ کر آتا ہے تمام دن ...... وہی خراب صحبت بازاری لونڈوں اور خدمت گاروں کے لڑکوں کی اس کو نصیب رہتی ہے، وہی خراب اور بدالفاظ جو ان بازاری لڑکوں کی زبان پر جاری ہوتے ہیں ۔ وہی نکمی عادتیں جو ان لڑکوں میں ہوتی ہیں یہ بھی سیکھتا ہے ۔" [۳] ان وجوہ کی بنا پر ان کا نظریہ یہ تھا کہ "مدرسہ میں جاکر چار گھنٹے ماسٹر یا زیادہ سے زیادہ انگریزی پروفیسر کے پاس بیٹھنے سے تربیت نہیں آسکتی ۔ وہ مقام کچھ جادو گھر نہیں ہے کہ وہاں تین یا چار گھنٹے کا رہنا باقی چوبیس گھنٹوں کی خراب صحبتوں کی خرابیوں کو دور کر سکے ۔" [۴]

اس خرابی کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ "امراء و اہل مقدور اور ذی دولت مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کیلئے نہایت ضروری ہے کہ ان کی عمر دس برس تک نہ پہنچنے پائے کہ وہ گھر سے جُدا رکھے جائیں اور خاص طور پر اور خاص نگرانی میں ان کی تعلیم ہو ۔" [۵] یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مدرستہ العلوم کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس کو جزوِ اوّل قرار دیا اور ایک

---

[۱] مکمل مجموعہ لکچرز ص ۱۵۲ [۲] سفرنامہ پنجاب ص ۹۳ [۳] ایضاً ص ۱۲۱

[۴] ایضاً ص ۲۵۳ [۵] تہذیب الاخلاق (۲) ص ۹۹م

خطاب میں بتایا کہ "کالج میں یہ بات ضروری قرار دی گئی ہے کہ جو لڑکے کالج میں تعلیم پائیں گے وہ کالج میں رہیں گے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ امیروں کے لڑکوں کو مدرسہ میں رہنا ضروری نہیں ہے یا وہ اس کو پسند نہیں کریں گے۔ آپ صاحبوں نے ولایت انگلستان کا حال شاید معلوم نہیں کیا ہے۔ وہاں جا کر دیکھئے کہ لارڈ اور ڈیوک اور نہایت اعلیٰ درجے کے جنٹلمین اور ذوی المقدور لوگوں کے لڑکے بھی کالج میں جا کر پڑھتے ہیں اور ضرور بورڈر ہو کر رہتے ہیں"[1]

سادہ الفاظ میں اس حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ بے مقدور افراد بورڈنگ ہاؤس کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کی بنا پر اپنے بچوں کو یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم نہ دلوا سکیں اور مدرستہ العلوم بلا شرکت غیرے ذی مقدور حضرات کے صاحبزادگان کی درس گاہ ہو۔ سرسید نے اس حکمت عملی کی دو وجوہات بیان کیں۔ "اوّل یہ کہ جب تک اعلیٰ قوموں میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہیں پھیلتی، ادنیٰ قوموں اور غریب لوگوں میں ہرگز تعلیم نہیں پھیل سکتی۔ دوم یہ کہ جب تک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ملک میں موجود نہیں ہوتی، ادنیٰ درجہ کی تعلیم کا پھیلنا ناممکن ہے۔"[2] انہوں نے اس کی توضیح اس طرح کی کہ "قدرت کا قاعدہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کی پیروی کرتا ہے، کبھی اعلیٰ ادنیٰ کی پیروی نہیں کرتا پس جو لوگ غریب لوگوں میں یا ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے رواج کے خواہاں ہیں ان کا سب سے اوّل یہ فرض ہے کہ اپنی قوم میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے پیدا کرنے کی کوشش کریں، ادنیٰ درجہ کی تعلیم غریب لوگوں میں رفتہ رفتہ از خود پھیل جائے گی۔"[3]

سرسید اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ "ہر جگہ چار آدمی جمع ہوئے اور اس کا نام اسلامی انجمن رکھا اور بارہ روپے مہینے کا ایک ماسٹر مقرر کیا، سکول جاری کیا اور مسلمان لڑکوں کو گھسیٹ کر اس میں داخل کیا۔"[4] ان کا خیال تھا کہ "جو لوگ اپنی کوششیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر متوجہ نہیں کرتے اور ادنیٰ درجہ پر مصروف ہوتے ہیں وہ الٹی گنگا بہاتے ہیں"[5] اپنے خطاب میں اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان چھوٹے سکولوں میں ادنیٰ درجہ تک تعلیم دے کر لوگوں کو تیار کرتے ہیں تاکہ وہ کسی سکول یا کالج میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے کے لیے داخل ہو سکیں، اور اس خیال سے بہت سے بزرگوں نے جا بجا پرائمری اور اپر پرائمری، مڈل اور بعض مقاموں میں انٹرنس تک کے سکول قائم کیے ہیں۔...... انہوں نے ایسا کرنے سے اس مقدم امر سے جس کو میں نے مقدم قرار دیا ہے، یعنی مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی ترقی سے بالکل غفلت کی ہے یا اپنی قوت کو مقدم کے بدلے

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز ص ۱۵۲ [2] ایضاً ص ۳۲۵ [3] ایضاً
[4] ایضاً ص ۳۲۴ [5] ایضاً ص ۳۲۵

مؤخر شئے کی طرف رجوع کیا ہے۔"

"تعلیم کے متعلق صرف دو قسم کے خیالات ہیں۔ ایک اشاعت کرنا اعلیٰ درجے کی تعلیم کا جو بلاشبہ ایک محدود گروہ کو یا قلیل گروہ کو نصیب ہوگی، دوسری اشاعت کرنا عام تعلیم کا جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ اور غریب گرو ہیں اور غریبوں کے لڑکے اس سے فائدہ اٹھائیں اور گروہ کے گروہ اور غول کے غول ایسے پیدا ہو جائیں جو شدبود سے واقف ہوں۔ جہاں تک مجھ کو اپنی قوم کے بزرگوں سے موقع ملا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے خیالات اس پچھلی قسم کی تعلیم کی طرف زیادہ مائل ہیں اور وہ اپنی نیک نیتی سے تعلیم کا ایسا طریقہ چاہتے ہیں جس سے غریب آدمی بھی فائدہ اٹھا سکیں ....."

"عام تعلیم کا عام لوگوں میں بغیر موجود ہونے اعلیٰ تعلیم کا پھیلنا ناممکن ہے اور تمام دنیا کی تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ پس بلاشبہ مجھ کو افسوس ہے کہ نیک نیت کوششیں، جو قبل از وقت ہماری قوم کے بزرگ دوسری قسم کے خیالات سے کرتے ہیں، یا وہ سب ضائع ہونے والی ہیں یا قوم کے عروج کے لیے سب بے سود ہیں ...... میری آرزو ہے کہ ہماری قوم خود اپنے اتفاق سے قومی سکول اور قومی کالج قائم کرے۔ اور ان کی کثرت ہو کہ گورنمنٹ کو اپنے سکول اور کالجوں کو بہ مجبوری اٹھا لینا پڑے مگر ہم کو کسی سکول کے قائم کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ ہم انٹرنس کلاس کی پڑھائی کا سکول قائم نہیں کر سکتے ..... اس طرح ہم کو کسی کالج کے قائم کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ ہم اس قدر سرمایہ بہم نہ پہنچا لیں جس سے ہم علاوہ ہندوستانی پروفیسروں کے کم سے کم تین یورپین پروفیسر نہایت عمدہ خصلت کے اور پورے جنٹلمین مقرر نہ کر سکیں۔" [1]

انگریز اساتذہ کی خصوصی اہمیت کی بابت سرسید نے واضح طور پر بیان کی کہ "ایسے سکول جو انٹرنس تک پڑھاتے ہیں اور جن میں ہیڈ ماسٹر ایک یورپین جنٹلمین نہیں ہے، بہت ناقص سکول ہیں اور طالب علموں کو ناقص رکھتے ہیں، خواہ وہ سکول گورنمنٹ کے ہوں یا مشنریوں کے یا پرائیویٹ لوگوں کے۔ اگر ہماری قوم ایسے سکول جاری کرنا چاہتی ہے تو ایسی تدبیر کرے کہ یورپین ہیڈ ماسٹر اس میں ہو اور سمجھ لے کہ بارہ سو روپیہ خرچ کرنا ہوگا۔ جو کالج ایسا ہو جس میں کم از کم تین یورپین پروفیسر نہ ہوں وہ بھی طالب علموں کو، ان کی لیاقت کو ناقص رکھنے والا ہے۔" [2] ان کی نگاہ میں بارہ روپے ماہوار کا دیسی ماسٹر اور بارہ سو روپے ماہوار کا یورپین ہیڈ ماسٹر بڑی یا اچھی تربیت کے دو متضاد پہلو تھے۔

سرسید ایک طرف تو عمر بھر یہ تلقین کرتے رہے کہ "ہماری قوم کے سرداروں اور شریفوں کو لازم ہے کہ وہ اپنی

---

[1] ایضاً صہ ۲۳۶ تا ۲۳۹ [2] ایضاً صہ ۲۴۱

اولاد کو انگریزی علوم کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دیں۔" [1] اور دوسری جانب اسی قوم کے غریب افراد کی دنیوی تعلیم کے لیے ادنیٰ مدارس کے قیام کی بھی مخالفت کرتے رہے۔ جو چھوٹے چھوٹے مدرسے ان کی خواہش کے برعکس وجود میں آئے ان کے متعلق وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان میں "انگریزی پڑھانے کا خیال ایک بہت بڑی غلطی ہے۔" [2] کیونکہ ان میں جس "حیثیت" کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں ان کے "مناسب حال" یہ ہے کہ "ان لڑکوں کو کچھ لکھنا پڑھنا اور ضروری کارروائی کے موافق حساب کتاب آجائے اور ایسے چھوٹے چھوٹے رسالے ان کو پڑھائے جائیں جن سے نماز روزہ کے مسائل جو روزمرہ پیش آتے ہیں، اور مسلمانی مذہب کے سیدھے سادے عقائد ان کو معلوم ہو جائیں۔" [3] دیہاتیوں کی تعلیم کے بارے میں وہ اپنی تعلیمی جدوجہد کے ابتدائی دور میں ہی اپنا یہ خیال ظاہر کر چکے تھے کہ "دہقانوں کے گروہوں کو جو دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں، دیسی زبانوں میں "بدرجہ اعتدال" تعلیم کی جائے اور صرف لکھنا پڑھنا اور حساب سکھایا جائے ...... یہ لوگ جو بہت محنت اور مشقت اور سختی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اس لیے ان کی جسمی تربیت کے واسطے یہ طریق زندگی ہی کافی وافی ہے، اور کچھ سکھانے سمجھانے کی حاجت نہیں۔" [4]

سرسید کی اس تمام تگ و دو کا مطلب یہ ہوا کہ غربا کے لڑکے تو دنیوی تعلیم کی ادنیٰ صورت بھی نہ حاصل کر پائیں اور اعلیٰ درجہ تک کی تعلیم کے حق دار صرف امیرزادے ہوں۔ جب مالی لحاظ سے معاشرہ یہ پہلے سے ہی حاوی اس طبقہ کے افراد تعلیم پا کر حکومت کے اعلیٰ کلیدی عہدوں پر فائز ہو جائیں تو حاکمانہ رویے کے ساتھ ادنیٰ طبقہ کے استحصال پر (جو طبقاتی امتیاز کے شعور کا لازمی نتیجہ ہے) خوب قادر ہو سکیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے بعد غریب لڑکوں پر ادنیٰ تعلیم کے دروازے کھولے جائیں "تاکہ وہ بڑے ہو کر وقت کی ضرورت کے مطابق بہتر خدمت گار ثابت ہو سکیں۔

برصغیر کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہماری قوم کے سردار اور رئیس غریب خاندانوں میں تعلیم کی ترویج کے ہمیشہ مزاحم ہوتے ہیں۔ انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ مستحکم ہو کر ان کے مالی رعب و داب اور معاشرتی حیثیت کے لیے خطرہ نہ بن جائیں۔ اس حقیقت کو سرسید بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے لکھنؤ کے شرفاء کے ایک جلسے میں اس یقین کے ساتھ کیا کہ "جو ادنیٰ خاندان کے لوگ ہیں وہ ملک یا گورنمنٹ کے لیے مفید نہیں۔" [5] انہوں نے کہا۔

---

[1] ایضاً ص ۱۸۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۸۶ [4] ایضاً ص ۳۶-۳۷

[5] ایضاً ص ۳۵۱

"کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنیٰ قوم یا ادنیٰ درجے کا آدمی، خواہ اس نے بی اے کی ڈگری لی ہو یا ایم اے کی، اور گو وہ لائق بھی ہو، ان پر بیٹھ کر حکومت کرے؟ ان کے مال، جائیداد اور عزت پر حاکم ہو؟ کبھی نہیں، کوئی ایک بھی پسند نہیں کرے گا۔" [1]

اسی خطاب میں آگے چل کر انہوں نے پھر کہا کہ "ہندوستان کی شریف قومیں ہندوستان کے ادنیٰ درجہ کے شخص کو، جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں، اپنی جان و مال پر حاکم ہونا پسند نہیں کریں گے۔" [2] سرسید کے اس تجزیے پر دونوں مرتبہ تالیاں بجائی گئیں جو اس طبقہ کے حقیقی رویے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سرسید کا یہ فطری تجزیہ اپنے خاندانی پس منظر میں ان کے اپنے دل کی آواز بھی تھی جسے ان کے ایک نہایت عزیز انگریز دوست جے کینیڈی ریٹائرڈ کمشنر نے اپنے ایک مضمون میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"سرسید احمد کو اپنی عالی خاندانی پر فخر تھا۔ اپنی ابتدائی تصانیف میں اس کا ذکر انہوں نے فخریہ انداز میں کیا ہے اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک وہ اس پر زور دیتے رہے۔ ان کی رائے تھی کہ اعلیٰ سرکاری خدمتوں پر جن ہندوستانیوں کو ملازم رکھا جائے وہ لازماً خاندانی لوگ ہوتے چاہئیں۔ ایک مرتبہ ایک انگریز اپنے شریف رشتہ داروں کا ذکر فخریہ کر رہا تھا تو انہوں نے کہا، "ہمیں اپنے انگریز حاکموں کے خاندانی حالات کا کوئی علم نہیں۔ جب تک ایک انگریز حکومت کی کرسی پر متمکن رہتا ہے ہمارے لیے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ وہ کسان کا بیٹا ہو یا کسی امیر لارڈ کا۔ لیکن ہندوستان میں ہم ایک دوسرے کی خاندانی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اس لیے ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ ہمارے سروں پر کسی مجہول النسب شخص کو مسلّط کر دیا جائے۔" [3]

اس عہد میں تعلیم کی حد تک یہ رویہ بڑے شہروں میں تو زیادہ مؤثر نہیں رہا البتہ دیگر علاقوں میں بڑی شد و مد کے ساتھ قائم ہے۔ اس طبقاتی رویے کے باعث، جو طبقاتی شعور کے احساس کے زمانے سے موجود ہے سرسید کے تعلیمی منصوبہ سے فطری نتائج ہی برآمد ہو سکتے تھے، جو ہوئے۔ ہمارے ملک کی بیشتر آبادی محض اس بااثر طبقہ کی خواہشات کی تکمیل میں آج بھی ناخواندہ ہے۔ بادی النظر میں سرسید کا رئیس زادوں کو تباہ ہوتے دیکھ کر انہیں اس نظریہ سے اعلیٰ تعلیم کی رغبت دلانا کہ ان کی مثبت صلاحیتوں کو اُجاگر کر کے انہیں قوم کی ترقی میں صرف کیا جائے، بلاشبہ ایک بہت بڑا قومی کام تھا، مگر اس کی اصل قیمت غریبوں کو چکانی پڑی جن کے لڑکوں کے لیے ادنیٰ تعلیم کے راستوں کو بھی بند کرنے کی سعی کی گئی۔ اس تحریک نے گنتی کے "اشراف" کو تو خوب

---

[1] ایضاً ص ۳۴۶ [2] ایضاً ص ۳۵۱ [3] تذکرہ سرسید، ص ۲۲۶

استحکام بخشا مگر "غریب گرد ہوں کے غول کے غول" اپنے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے۔ بقول ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "تعلیم کے معاملے میں سرسید کے پیش نظر صرف طبقہ شرفا کی بحالی تھی جو انگریزی راج میں اعلٰے عہدوں اور جاگیروں سے محروم ہو گئے تھے۔"

غور کا مقام ہے کہ گھر کے نوکروں، سائیس یا ماماؤں اور ان کے لڑکوں کا ذکر کس حقارت آمیز انداز میں کیا جاتا ہے مگر انہیں مبینہ "بداخلاقی"، "بدزبانی" اور "غارت کن رذائل" سے بچانے کے لیے کوئی ہلکا سا منصوبہ بھی پیش نہیں کیا جاتا جب کہ "اشراف" کے صاحبزادگان کو ان "کمینہ لونڈوں" کی "صحبت بد" سے محفوظ کرنے کی فکر ایک عظیم تعلیمی منصوبے کو وجود میں لے آتی ہے۔ متذکرہ بالا تمام حقائق اس نظریہ کی مکمل تائید کرتے ہیں کہ سرسید کی تعلیمی تحریک قوم کے تمام طبقات کی بجائے محض متمول افراد اور روسا کے مفادات کے گرد گھومتی ہے۔

کتابیات

تذکرہ سرسید (محمد امین زبیری) یونائیٹڈ پبلشرز لاہور (۱۹۶۱ء)

تہذیب الاخلاق، جلد دوم (سرسید احمد خان) مصطفائی پریس لاہور (۱۸۹۵ء)

سفرنامہ پنجاب (مرتبہ مولوی اقبال علی) انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ (۱۸۸۴ء)

مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید، مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰ء)

مولوی نذیر احمد دہلوی، احوال و آثار (ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی) مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۷۱ء)

بقیہ صفحہ نمبر ۲۰ سے

(HINDU CODE) کی رو سے ہندو مرد اور ہندو عورت دونوں کو پہلی بار حق طلاق سے متمتع ہونے کی اجازت دی گئی۔ اس سے پہلے ہندو مذہب طلاق کے تصور سے بھی ناآشنا تھا۔ بلکہ میاں بیوی کے رشتے کو جنم جنم کا بندھن قرار دیتا تھا۔ مگر یہ اٹوٹ بندھن اب مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ چکا ہے۔

لے مولوی نذیر احمد دہلوی (احوال و آثار) ص۱۷۹

مولانا ذاکر حسن نعمانی

مذاہب اربعہ اور شاہ ولی اللہ کی تحقیق

عالم اسلام میں تقلیدی لحاظ سے چار مذاہب بہت مشہور اور رائج ہیں بعض مقامات میں اہل حدیث بھی ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً تمام مسلمان چار اماموں کے مقلد ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحہم اللہ ان آئمہ ہُداۃ کی تقلید اس سبب سے کی جاتی ہے کہ صرف ان حضرات کی فقہ مکمل طور پر مدون ہے جس کی وجہ سے فقہ پر چلنا آسان ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مجتہدین گزرے ہیں لیکن ان کے مذاہب اس طرح پروان نہ چڑھ سکے بلکہ مرجھا گئے۔

ان چار مذاہب میں حصر شرعی، عقلی اور جبلی نہیں بلکہ استقرائی اور عادی ہے۔ اور مذاہب کا پیدا اور مدون ہونا ممکن ہے لیکن محال عادی ہے۔ گزشتہ مجتہدین ایسے اصول و قواعد اجتہاد چھوڑ گئے۔ کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔

آئمہ حدیث اور بڑے بڑے اساطین علم اور عوام الناس مقلد ہیں۔ تقلید کی اصطلاحی تعریف کو نہ چھیڑیں بلکہ اس کی حقیقت پر غور کرنا چاہیئے۔ تقلید کی حقیقت اور معنیٰ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور دور صحابہ کرام میں بھی اس کی حقیقت پائی جاتی ہے۔ بعد میں جب اس کی اصطلاحی تعریف کی گئی تو بعض لوگوں کو اس کے ساتھ اختلاف پیدا ہو گیا حالانکہ اصطلاحات کے اندر اُلجھنا محض لاعلمی ہے۔ دنیا میں بے شمار مادی و معنوی اشیاء ہیں جن کے نام اور تعریفیں ہر جگہ جُدا جُدا ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت ایک ہونے کی وجہ سے لوگ آپس میں نہیں جھگڑتے۔ اگر تقلید کی تعریف کے ساتھ بیر ہے تو پھر اصول فقہ کا تو خدا ہی حافظ۔ اصول فقہ کی تمام اصطلاحات اور تعریفیں ضائع اور بیکار ہو کر رہ جائیں گی۔ مثلاً خاص، عام، مشترک اور مؤول ان اصطلاحات کی حقیقت سے قرآن و حدیث بھرا پڑا ہے جس سے انکار کفر کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں فاسئلوا اھلِ الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یہ مطلق تقلید کا ثبوت ہے یا حدیث میں ہے شفاء العی السوال۔ جاہل کی شفاء سوال میں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ یعنی میرے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرو۔ تقلید سے خیر القرون کا دور بھی خالی نہیں تھا۔ اور ہونا بھی اسی طرح چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہر آدمی

تو مجتہدین نہیں بن سکتا۔ صحابہ کرام میں ایسے حضرات تھے کہ بعض نصوص کا صحیح فہم اُن کو نہ ہو سکا۔ ایک صحابی نے جب آیت سُنی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود۔ معنی یہ ہے کہ رات اور دن کا کالا و سفید دھاگہ واضح ہو جائے لیکن اس صحابی نے حقیقتاً کالا اور سفید دھاگہ اپنے تکیہ کے نیچے رکھا۔ تو حضورؐ نے اس سے فرمایا انك لعریض القفا۔ یعنی آپ کی گردن بہت چوڑی ہے آہستہ آہستہ مسلمانان عالم میں تقلید عام اور پھیلتی چلی گئی۔ اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی تحقیق پیش خدمت ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی اکثر تالیفات میں اس پر بحث کی ہے۔ لیکن دو کتابیں اس موضوع پر بہت مشہور ہیں (۱) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی پہلی جلد میں بھی تھوڑی سی بحث کی ہے۔ مذکورہ کتابوں میں تقلید پر کی گئی تحقیق کا خلاصہ اپنے فہم کے مطابق بیان کرتا ہوں۔

شاہ صاحب نے عقد الجید میں باب باندھا ہے۔ باب تاکید الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ والتشدید فی ترکھا والخروج عنھا۔ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو چھوڑنے اور ان سے نکلنے کی ممانعت شدیدہ۔

شاہ صاحب کے نزدیک مذاہب اربعہ اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور اس کے ترک کرنے میں مفسدہ عظیمہ ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ سلف پر اعتماد کیا جائے۔ اگلوں کا یہی طریقہ ہے۔ تابعین نے صحابہ کرام پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اس طرح بعد کے ہر طبقہ نے اگلے طبقہ پر اعتماد کیا۔ تقلید میں بھی سب سے بڑی شیئی اعتماد ہے۔ ہم کسی کی بات اس وقت تک نقل نہیں کر سکتے جب تک اس پر بھروسہ نہ ہو۔

شاہ صاحب کے نزدیک صرف دین ہی میں نہیں بلکہ تمام فنون میں یہ تقلید جاری ہے۔ مثلاً صرف، نحو اور منطق وغیرہ بلکہ دنیاوی پیشوں میں بھی یہی دستور ہے۔ اس لیے موصوف بطور قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں۔

واذا تعین الاعتماد علی اقاویل السلف فلابد ان یکون اقوالھم التی یُعتمدُ علیھا مرویۃ بالاسناد الصحیح او مدونۃ فی کتب مشھورۃ۔

یعنی ان با اعتماد اقوال کا صحیح سند کے ساتھ مروی ہونا اور کتب مشہورہ میں مدون ہونا ضروری ہے۔

اسی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ ان اقوال پر بحث ہوئی ہو۔ محتملات اور راجح کا بیان ہوا ہو۔ اقوال مختلفہ میں تطبیق اور اُن کی علتیں مذکور ہوں تاکہ عمل کرنا ان پر ممکن ہو جائے۔ آگے لکھتے ہیں اپنی بیان کردہ شرائط کے مطابق کہ یہی چار مذاہب بزبان حال گویا ہیں کہ ان کی تقلید اختیار کرو۔ فرماتے ہیں ولیس مذھب فی ھذہ الازمنۃ المتاخرۃ بھذہ الصفۃ الا ھذہ المذاھب الاربعۃ۔ یعنی شاہ صاحب کے بیان

کردہ شرائط پر آج کل صرف یہی چار مذاہب پورا اترتے ہیں لکھتے ہیں کہ حضورؐ کا فرمان ہے اتبعوا سواد الاعظم ولما اندرست المذاہب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجا عن سواد الاعظم۔

یعنی حضورؐ فرماتے ہیں کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ سچے مذاہب ان چار کے علاوہ ختم ہو گئے۔ ان کی پیروی سواد اعظم کی پیروی ہے ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔ پابندی مذہب کی تیسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ خیر القرون گزر چکا امانتیں تلف کردی گئیں علماء سوء، ظالم قاضیوں اور ہوا پرست مفتیوں پر اعتماد اب نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے قول کو یہ لوگ باعتماد اسلاف کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لہذا خیر اسی میں ہے کہ مذاہب اربعہ کو اختیار کیا جائے۔

ابن حزم تقلید کا قائل نہیں شاہ صاحب ان کے دلائل نقل کرکے ان کو جواب دیتے ہیں کہ تقلید صرف تین آدمیوں کے لیے جائز نہیں۔ انما یتم فی من لہ ضرب من الاجتہاد ولو فی مسئلۃ واحدۃ وفی من ظھر علیہ ظھورا بینا ان النبیؐ امر بکذا اور نھی عن کذا وانہ لیس بمنسوخ۔ یعنی وہ شخص تقلید نہ کرے جو مجتہد ہو اگرچہ ایک مسئلہ میں۔ اور یہ بات اس پر صاف ظاہر ہو کہ فلاں چیز سے حضورؐ نے منع فرمایا یا حکم دیا ہے اور یہ حکم منسوخ نہ ہو۔

اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مجتہد خطا نہیں کر سکتا اور اس کی اندھی تقلید شروع کر دے۔ فرماتے ہیں۔ وفیمن یکون عامیاً ویقلد رجلاً من الفقھاء بعینہ یری انہ یمتنع من مثلہ الخطاء وان ما قالہ ھو الصواب البتۃ۔

یعنی عامی کسی معین فقیہ کی تقلید اس خیال سے کرے کہ اس سے خطاء محال ہے یہ جو کچھ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے اور اس کی تقلید کو نہ چھوڑے اور تیسرا وہ شخص ہے فیمن لا یجوز ان یستفتی الحنفی مثلاً فقیھا شافعیاً وبالعکس ولا یجوز ان یقتدی الحنفی بامام شافعی مثلا۔ یعنی حنفی شافعی سے اور شافعی حنفی سے مسئلہ پوچھنے کو جائز نہ سمجھے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی نہ پڑھتے ہوں۔

(نوٹ) اسلاف خواہشات نفسانیہ سے بچتے تھے۔ رضا الٰہی کی خاطر دوسرے امام کو حق سمجھ کر اس سے پوچھتے تھے۔ آج کل ہوائے نفسانی کا دور ہے۔ سہولت، آزادی اور آرام پسندی کی خاطر مذاہب اربعہ کے اقوال کی اتباع کرتے ہیں جو ایک لحاظ سے شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔ اس لیے اب محققین علماء کے نزدیک صرف ایک امام کی تقلید واجب ہے۔ ہاں احتیاج شدید کے وقت۔ لیکن اس کو صرف علماء ہی جانتے ہیں۔ عوام ایسی صورت میں مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ایک عالم دوسرے عالم کی تقلید کر سکتا ہے فرماتے ہیں۔ تقلید کی دو قسمیں ہیں۔
واجب اور حرام واجب یہ ہے کہ جاہل آدمی خود حکم معلوم نہیں کر سکتا تو اس کا کام عالم سے پوچھنا ہے۔
حرام یہ ہے کہ ان یظن بفقیہ انہ بلغ الغایۃ القصوی فلا یمکن ان یخطی۔
یعنی فقیہ کے بارے میں یہ خیال رکھے کہ علم کی انتہا کو پہنچ گیا اور اب غلطی نہیں کر سکتا۔
پانچواں باب اس امر میں ہے کہ تقلید میں اعتدال ضروری ہے افراط تفریط سے کام نہیں لینا چاہیئے۔
لکھتے ہیں ھو الذی مشی علیہ جماھیر العلماء من الاخذین بالمذاھب الاربعۃ ووصی بھا ائمۃ المذاھب اصحابھم۔ یعنی چاروں مذاہب کے علماء اس بات کے پابند ہیں اور مذہب کے ائمہ نے اپنے شاگردوں کو اسی کی وصیت کی ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی کا قول نقل کیا ہے کہ امام اعظم سے مروی ہے لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی یعنی جس کو میری دلیل معلوم نہ ہو میرے کلام سے فتوی نہ دے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ مامن احد الا وماخوذ من کلامہ ومردود علیہ الا رسول اللہ۔ کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ جس کا قول قابل مؤاخذہ نہ ہو اور اس کا قول اس پر رد نہ کیا جائے بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اذا صح الحدیث فھو مذھبی یعنی صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ فرماتے ہیں اذا رأیتم کلامی یخالف الحدیث فاعملوا بالحدیث واضربوا بکلامی الحائط۔
یعنی میری بات حدیث کے مخالف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار پر پھینک دو۔

الانصاف

شاہ صاحب الانصاف میں فرماتے ہیں۔ وبعد المئتین ظھر فیھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم وقل من کان لا یعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ۔ وکان ھذا ھو الواجب فی ذالک الزمان۔ یعنی دو صدی بعد تقلید شخصی شروع ہوئی اور بہت کم ایسے تھے جو تقلید شخصی کے قائل نہیں تھے۔ اور یہ اس زمانہ میں واجب تھا۔
اس کے دو سبب تھے۔ مجتہد بڑی چھان بین اور احتیاط سے ایک قول ذکر کرتا تھا (۲) مقلد تمام اماموں کے اقوال کی چھان بین ساری زندگی میں نہیں کر سکتا۔
شاہ صاحب نے عنوان قائم کیا ہے التقلید فی المذاھب الاربعۃ فرماتے ہیں ان ھذہ

المذاہب الاربعۃ المدونۃ قد اجتمعت الامۃ ومن یعتد بہ علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھذا۔ یعنی مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے، فرماتے ہیں وفی ذالک من المصالح مالا یخفی اس میں غیر مخفی مصالح ہیں۔ لاسیما فی ھذہ الایام التی قصرت فیھا الھمم واشربت النفس الھوا واعجب کل ذی رای برایہ یعنی خاص کر آج کل ہمتیں کوتاہ ہوگئیں اکثر لوگ خواہش پرست ہیں اور ہر ایک اپنی رائے سے خوش ہے۔

فرماتے وبالجملۃ فالتمذہب للمجتہدین سر الھمہ اللہ تعالیٰ العلماء وجمعھم علیہ من حیث یشعرون اولا یشعرون خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذہب کو اختیار کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک راز ہے جس کا علماء کو الہام کیا گیا اور وہ اس پر شعوری اور لاشعوری طور پر متفق ہوگئے۔

حجۃ اللہ البالغۃ

شاہ صاحب اس مشہور زمانہ کتاب کی جلد ایک میں رقم طراز ہیں کہ چوتھی صدی سے قبل لوگ مذہب معین کے پابند نہ تھے۔ لیکن الانصاف کی عبارت گزر گئی جس سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی میں تقلید شخصی موجود تھی۔ احقر کے ذہن میں تطبیق یہ ہے کہ الانصاف میں جزوی پابندی مراد ہے اور یہاں عام عدم پابندی مراد ہے۔

قارئین — بنام — مدیر

افکار و تاثرات

- قادیانی عوام سے انصاف کے نام پر اپیل / محمد حنیف ندیم
- آثار السنن پر علامہ انور شاہ کشمیری کے تعلیقات / مولانا محمد طاسین
- دس ضخیم جلدوں میں چھ ہزار صفحات پر مشتمل حج نامہ / معارف انڈیا
- رمضان کا مہینہ اور یاد مدینہ / سید نفیس الحسینی
- تفسیر عثمانی میں طباعت کی غلطی اور تصحیح / مولانا محمد عاشق الٰہی
- الحق کے مضامین اور قارئین کے تاثرات / احسان اللہ فاروقی مولانا اشرف علی

قادیانی عوام سے انصاف کے نام پر ایک اپیل

مرزا غلام قادیانی نے جب سے اسلام سے ارتداد کی راہ اپنائی، تب سے اس کے احتساب کا عمل بھی جاری ہو گیا۔ متحدہ ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء، مشائخ، بزرگان و مفتیان نے مشترکہ و متفقہ طور پر قادیانیوں کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا۔ عرب و عجم کے مفتیان و مشائخ نے بیک زبان عقیدۂ ختم نبوت سے انحراف کو کفر و ارتداد قرار دے کر چودہ سو سالہ اجماع پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس جد و جہد میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، قادری و چشتی، سہروردی نقشبندی کی تمیز نہ تھی، تمام حضرات کے اکابر مشائخ "قادیانیت" کے کفر پر متفق تھے۔

مرزا قادیانی نے اس پر بہت سر پٹا مگر خود کردہ را علاج نیست۔ علماء نے اسے کافر نہیں بنایا۔ ارتداد و کفر کی راہ تو اس نے خود اختیار کی تھی۔ علماء نے اس کے کفر کو بتایا تھا۔ کافر بنانا اور چیز ہے، کافر بتانا اور چیز ہے۔ اس طرح بعض عرب و دیگر ممالک میں قادیانیوں کے خلاف قانونی اقدامات بھی ہوئے۔ مصر و شام میں ان کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ عرب امارات بالخصوص حجاز مقدس میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی۔ قادیانی گروہ اور اس کے گرو کے خلاف فتویٰ جات و مقدمات کی تفصیل کے لیے عالمی مجلس کے شعبہ نشر و اشاعت سے شائع کتاب "قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت" کے متعلقہ ابواب دیکھے جا سکتے ہیں۔

قادیانی کفر کو منبر و محراب سے لے کر عدالتوں تک لتاڑا گیا۔ اسلامی ممالک کی عدالتوں نے قادیانیوں کے کفر پر عدالتی مہر ثبت کی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا۔ قادیانی گروہ

نے پالیسی تبدیل کی۔عوامی محاذ پران کا کفر آشکارا ہوا تو انہوں نے پاکستان کے سرکاری دفاتر میں موجود قادیانی افسران کے ذریعے حکومتی دوائر میں زہر گھولنا شروع کردیا۔مختلف سیاسی جماعتوں میں ففتھ کالم کا کردار ادا کرنے لگے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے متفقہ طور پر ان کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

۱۹۸۴ء میں اس آئینی ترمیم کے تقاضوں کو جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ پورا کرتے ہوئے قانون سازی کی۔جس کے نتیجہ میں قادیانیوں کے لیے اسلامی اصطلاحات کے استعمال پر پابندی لگ گئی اور حالات نے یہ رخ اختیار کیا کہ قادیانی جماعت کا بھگوڑا مرزا طاہر مجرمانہ فرار اختیار کرکے اپنے روحانی آباؤ اجداد کے پاس افرنگ کی ریزہ چینی پر مجبور ہوا۔امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوتے ہی قادیانی جماعت نے جماعتی حیثیت سے اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کردیا۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اس کیس کی پیروی کی حق تعالی نے فضل کیا۔پانچوں وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس صاحبان نے متفقہ طور پر قادیانی اپیل کو مسترد کردیا۔تفصیلی فیصلہ آیا تو قادیانیت کا چہرہ لٹک گیا۔قادیانیوں نے اس فیصلہ کو وفاقی شرعی عدالت کے اپیل بنچ سپریم کورٹ میں چیلنج کیا۔وہاں سے بھی بدھو خیر سے گھر کو لوٹ کر آنے کے مصداق بن گئے۔تو پھر پاکستان کے چاروں ہائی کورٹس میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کے سلسلہ میں ملنے والی سزاؤں کے خلاف اپیلیں دائر کردیں۔ہائی کورٹس کے فیصلے قادیانیت کے کفر پر مہر لگا چکے تو قادیانیوں نے مختلف قسم کے آٹھ کیس سپریم کورٹ میں دائر کردیئے۔۳/جولائی ۱۹۹۳ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے بھی قادیانی کفر و ارتداد پر مہر لگا کر امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ موقف کی تائید کردی۔

۱۔علماء کرام کے فتوی جات۔۲۔رابطہ عالم اسلامی کی متفقہ قرارداد۔۳۔بیسیوں عدالتوں کے فیصلے۔۴۔آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد۔۵۔پاکستان نیشنل اسمبلی کی قرارداد۔۶۔شام و مصر کی حکومتوں کے فیصلے۔۷۔سعودی عرب و عرب امارات میں داخلہ بندی۔۸۔ہائی کورٹوں کے فیصلے۔۹۔اور اب سپریم کورٹ کے فیصلہ نے قادیانی موقف کو مسترد کردیا ہے۔منبر و محراب سے نیشنل اسمبلی تک۔مقامی عدالتوں سے سپریم کورٹ تک پاکستان و ہندوستان سے لے کر افریقہ و امریکہ تک کے تمام مسلمان کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوئے قادیانیت کے کفر پر متفق ہیں۔امت مسلمہ کے اس اجماع کے خلاف قادیانی قیادت جلب زر و حصول جاہ کے اندھے نشہ میں غرق ہے۔اس نے اپنے عوام کو کج مکرنی، تاویلوں، شبہات، وساوس، دجل و تلبیس کے چکر میں ایسے جکڑ دیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کرکے قادیانی قیادت کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کفر و زندقہ کے گہرے دلدل میں دھنستے چلے جارہے ہیں۔دنیا میں انصاف نام کی کوئی چیز ہے تو اس کے نام پر قادیانی عوام سے اپیل ہے کہ اب بھی وقت ہے سوچیں کہ آخر قادیانی قیادت ان کو پوری امت مسلمہ سے کاٹ کر کدھر لے جارہی ہے۔اب بھی وقت ہے۔باز آ باز آ۔ہر آنچہ کردی باز آ۔

(محمد حنیف ندیم)

آثار السنن پر علامہ کشمیری کے تعلیقات

آپ نے حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی جس کتاب کے متعلق دریافت فرمایا ہے وہ کوئی الگ سے ان کی مستقل کتاب نہیں بلکہ علامہ النیموی کی کتاب آثار السنن پر لکھے ہوئے کچھ حواشی اور نوٹس ہیں جو بوقت مطالعہ مختلف اوقات میں حضرت شاہ صاحب نے تحریر فرمائے لیکن یہ نوٹس معروف معنوں میں نہ تو کتاب آثار السنن کی شرح ہیں نہ متن سے متعلق باقاعدہ حواشی ہیں، اور پھر یہ نوٹس طبعزاد قسم کے نہیں بلکہ اکثر نقول ہیں اور ہر ایک کے ساتھ کتاب کا حوالہ مذکور ہے، بہرحال یہ نوٹس بے پناہ وسعت مطالعہ اور غیر معمولی قوت حافظہ پر دلالت کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کو نوازا تھا، ان مختصر نوٹوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی تخریج ضروری ہے جو کافی مشکل اور محنت طلب کام ہے۔

کتاب آثار السنن کا مذکورہ نسخہ مجلس علمی افریقہ کے پاس محفوظ ہے ۱۳۷۹ھ میں زیروگرافی کے ذریعے لندن سے اس کی چند کاپیاں فوٹو کرائی گئیں اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص تلامذہ کو ایک ایک ہدیہ کی گئی اب مجلس علمی کراچی کے پاس صرف ایک نسخہ موجود ہے، اس مصورہ نسخہ کے شروع میں حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک صفحے میں اس کا ایک مختصر تعارف ہے جس سے مذکورہ حواشی نوٹس کی حقیقت و اہمیت پر کچھ روشنی پڑتی ہے، میں اس کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں اس سے حقیقت حال کو سمجھنے میں ضرور مدد ملے گی[1]

تازہ الحق میں آپ کا اداریہ پڑھ کر جو خوشی ہوئی بیان نہیں کرسکتا ماشاء اللہ خوب لکھا اور چونکہ میری سوچ بھی سو فیصد یہی ہے جو اداریے میں کارفرما ہے لہذا ایسا محسوس ہوا کہ گویا میری ترجمانی ہے (حضرت مولانا) احقر محمد طاسین عفی عنہ) کراچی

دس ضخیم جلدوں میں چھ ہزار صفحات پر مشتمل حج نامہ

(حرمین شریفین اور حج بیت اللہ سے متعلق تحریریں اور تاثرات علوم اسلامیہ کا عظیم الشان اور بے مثال ذخیرہ ہیں، یہ محض احساسات و تاثرات کا مجموعہ ہی نہیں ہیں بلکہ تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اب معلوم ہوا ہے سوئٹزرلینڈ کے ایک ادارہ دی آرکائیو انٹرنیشنل گروپ نے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل دس ضخیم جلدوں کا ایک حج نامہ شائع کیا ہے جس میں قدیم اور مستند دستاویزیں، اہم ذمہ داروں کے تبصرے، انتظامی امور کی مفصل

---

[1] امام نیموی کی آثار السنن پر مولانا عبدالقیوم حقانی نے توضیح السنن کے نام سے اردو شرح مکمل کرلی ہے جس کی پہلی جلد ۶۵۰ صفحات پر مشتمل رمضان المبارک میں منظر عام پر آرہی ہے ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ سے دستیاب ہے۔

سالانہ روداد، اعداد و شمار، حج ہی سے متعلق حکمرانوں کی خط و کتابت کو عہد بعہد جمع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ابن جبیر سے علی شریعتی تک مختلف اہم اشخاص کے ذاتی تاثرات و تجربات بھی یکجا کر دیے گئے ہیں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد اہم تاریخی نقشے، مختلف ادوار کے کاروانِ حج کے راستے، مکہ کے قدیم خاندانوں مثلاً شریف مکہ وغیرہ کے نسب نامے بھی درج کیے گئے ہیں، ایک جلد حج کی روحانی اہمیت کے بیان اور ادعیہ حج پر مشتمل ہے، اس نہایت مفید اور جامع حج انسائیکلو پیڈیا کے مرتب ایلن رش ہیں اور اس کی قیمت ۵۹۵ ۲۲ اسٹرلنگ پاؤنڈ ہے) (معارف انڈیا)

رمضان کا مہینہ اور یادِ مدینہ

رمضان کا جو مہینہ آیا — یاد رہ رہ کے مدینہ آیا
ہاتھ اٹھا کر جو دعائیں مانگیں — ہاتھ رحمت کا خزینہ آیا
بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچا — جیسے ساحل پہ سفینہ آیا
حوصلہ سامنے ہونے کا نہ تھا — منہ چھپائے یہ کمینہ آیا
تن بدن کانپ رہا تھا میرا — اُف، ندامت سے پسینہ آیا
عرض کرنا تھا دلِ زار کا حال — کچھ سلیقہ نہ قرینہ آیا
آہ افسوس صد افسوس نفیس — فصلِ گل میں بھی نہ پینا آیا

(سید نفیس الحسینی شاہ صاحب لاہور)

تفسیر عثمانی میں طباعت کی غلطی اور تصحیح

ماہنامہ الحق اگست ۱۹۹۳ء میں جناب ابن مسعود ہاشمی صاحب کا مکتوب شائع ہوا تھا جس میں وضاحت کے ساتھ طباعت کی ایک غلطی کی نشاندھی کی گئی تھی اور اہم علمی دلائل سے تصحیح کی طرف بھی توجہ دلائی گئی تھی اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مدظلہ کی توضیح موصول ہو گئی ہے نذر قارئین ہے۔ "صدیق محترم مولانا عبدالقادر صاحب بن محمد متقی زیدہ مجدہم جو تقریباً ۲۰ سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں۔ انکی خدمت میں اشکال پیش کیا۔ انہوں نے تفسیر عثمانی کا سب سے پہلا ایڈیشن نکالا ۱۳۵۵ھ میں۔ جو اس کے ناشر اول مولانا مجید حسن صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے شائع کیا تھا۔ اس میں آیت کریمہ "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ" کے ذیل میں جو حاشیہ دیا ہے۔ اس میں "عمداً" کی بجائے لفظ "نسیاناً" ہے صفحہ مذکورہ کی فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں۔ قارئین کو مطلع کرنے کے لیے یہ ایک صفحہ یا میرا یہ خط شائع فرمادیں۔ والسلام"

(مولانا محمد عاشق الٰہی)

الحق کے مضامین قارئین کے تاثرات

○ اس دفعہ الحق کا تازہ پرچہ بڑا نافع رہا اداریہ تحریر تو خوب سے خوب تر رہی "عورت کی امارت کا مسئلہ از مولانا عبدالقیوم حقانی، ایسا مضمون ہے کہ اس کی مثال ہی نہیں ملتی میں نے اس کی سینکڑوں فوٹو کاپیاں نکلوا کر میاں احباب میں تقسیم کر دیں الحق کا دوسرا مضمون "عربوں کے احسانات یورپ پر بے حد معلوماتی تھا مولانا عبدالرزاق سنگین پر تحریر کافی دلچسپ تھی کاش اُن پر مزید بھی لکھا جاتا، "ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت" حد درجہ فکر انگیز مضمون ہے۔

(احسان اللہ فاروقی قطر)

○ بندہ کافی عرصہ سے ماہنامہ الحق کے مؤقر اداریئے و مضامین خُوب ذوق سے پڑھتا رہتا ہے۔ ماہِ ربیع الاول کے پرچہ میں جب آپ کا مضمون "مستشرقین کی تحقیقی خدمات، دین اسلام کے خلاف یلغار" پڑھا تو دل سے دعائیں نکلیں۔ اور اللہ کریم کا شکر ادا کیا کہ الحمدللہ آج بھی اس مادیت والحاد اور پُرفتن دور میں ایسے علماء کرام موجود ہیں۔ جو کہ "بلا لومۃ لائم" دینِ اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ آپ نے "دو عجوبہ قسم کی باتیں" کی طرف اشارہ فرما کر عالم اسلام پر عظیم احسان فرمایا۔ اسے کاش مسلمان حکمران، مذہبی پیشوا، عام مسلمان اب بھی سنبھل جائیں تو بھی کام ہو سکتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مضمون سب کے لیے سنگِ میل ثابت ہو آمین تازہ ترین "رجب" کے شمارے میں آپ نے سندھ کورٹ کے جسٹس وجیہ الدین کے بیان اور افغان زعماء کو راہِ راست پر رہنے کی بابت جو اداریتی کلمات تحریر فرمائے ہیں۔ واقعتہً یہ دارالعلوم حقانیہ کی دلیلِ حقانیت ہے۔ اور حضرت شیخ الحدیث (نوراللہ مرقدہ) کے روحانی فیوضات۔ اللھم زد فزد (بندہ اشرف علی حقانی)

قارئین سے گذارش

ماہنامہ الحق اپنے پروردگار کے فضل و کرم اور اپنے مخلصین کی سرپرستی و تعاون سے بحمداللہ ۲۹ سال سے علم دین اور ملک و ملت کی مقدور بھر خدمت کر رہا ہے پرچے کا بنیادی مقصد، دعوتِ دین، اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے خالص تبلیغی اور نقطہ نظر سے ہماری یہ امکانی کوشش رہی ہے کہ پرچہ کی طباعت عمدہ اور معیاری ہو مگر مسلسل منہگائی اور غیر ملکی شرح ڈاک میں دوبارہ اضافوں کی صورتِ حال کے پیش نظر مجبوراً الحق کے سالانہ بدل اشتراک میں جنوری ۱۹۹۴ء سے معمولی سا اضافہ کر کے سالانہ چندہ ۱۰۰ روپے کیا جا رہا ہے امید ہے کہ جملہ قارئین ادارہ کی مشکلات کے پیش نظر اپنا تعاون حسبِ سابق جاری رکھیں گے۔ البتہ جن قارئین کا سالانہ بدل اشتراک موصول ہو چکا ہے ان سے سالانہ بدل اشتراک کے اختتام تک کوئی اضافی رقم نہیں لی جائے گی۔

بیرون ملک قارئین کے لیے سالانہ بدل اشتراک بذریعہ ہوائی جہاز ۲۵ امریکی ڈالر ہیں۔ (ادارہ)

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

مولانا عبدالرشید ارشد صاحب

ماہنامہ الحق کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر پر

معاصر عزیز "الرشید" کے مدیر شہیر کی وقیع تحریر

حضرت مولانا عبدالرشید ارشد مدظلہ ملک کے معروف عالم دین عظیم سکالر، منجھے ہوئے صحافی، ماہنامہ الرشید کے مدیر، برصغیر پاک و ہند میں مقبول ترین معروف کتب "بیس بڑے مسلمان" ماہنامہ الرشید کے دارالعلوم دیوبند نمبر" مدنی اور اقبال نمبر" اور راب نعتِ رسولِ مقبول نمبر اور متعدد کتب کے مرتب، مولف اور مصنف ہیں ماہنا الحق کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر پر ماہنامہ الرشید میں نقد و تبصرہ کرتے ہوئے وقیع تحریر لکھی ہے حضرت شیخ الحدیث رح کی سوانح کے بعض نئے گوشوں پر روشنی سمیت ایک تاریخی شہادت ہے۔ جو من و عن نذر قارئین ہے —————— (ادارہ)

اس گئی گذری دنیا میں کہ جس میں قحط الرجال ہے ہم نے اپنی آنکھوں سے، ایسے ہمہ جہت انسان دیکھے ہیں کہ جن کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جامع الصفات تھے۔ اسلام میں اصل تو کتاب و سُنّت ہے لیکن اسی کتاب و سنّت کے علوم عالیہ کے سمجھنے اور ان کی تہہ تک پہنچنے کے لیے بعض کئی اور علوم بھی درکار ہیں جن میں اصل فہم کی سلامتی اور دل و دماغ کی روشنی ہے کہ جس سے وہ دنیا کی پُرخطر راہوں میں دوسرے علوم کو بھی بہتر استعمال کرتا ہے۔

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے

ماضی قریب میں اس کی مثال مولانا مفتی محمود، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مفتی محمد شفیع اور بیسیوں ہم عصر حضرات رحمھم اللہ کی پیش کی جاسکتی ہے۔ ان ہی میں ایک کچھ متاخر نام قائد شریعت حضرت مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور کا ہے جن کی شکل فرشتوں ایسی، چال ڈھال راہبوں ایسی، رفتار و گفتار محدثین ایسی اور علم و عمل اُمت کے باکمال افراد ایسا تھا جن کے علمی و عملی اور سیاسی کارنامے اور ان کے تلامذہ کے مجاہدانہ کارنامے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے:

ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

اس وقت ہمارے سامنے آپ کی یاد میں شائع ہونے والا ماہ نامہ "الحق" کا عظیم و ضخیم "مولانا عبدالحق نمبر" ہے۔ عظیم و ضخیم شاید اس پر پوری طرح دلالت نہ کرسکے کیونکہ ۱۲۰۰ صفحات آج کل کی عام کتب سے دگنا سائز، پڑھے لکھے لوگوں کو بتانے کے لیے روح المعانی سائز اور کتب کے سائزوں کو جاننے والوں کے لیے ۲۳×۳۶-۳-۸-۳۶ سطر فی صفحہ کو کیا نام دیا جائے اور ساتھ جب یہ بھی بتایا جائے کہ یہ سب کچھ ایک شخص مولانا عبدالقیوم حقانی نے برادرِ بزرگوار مولانا سمیع الحق صاحب کی سرپرستی میں کیا ہے تو اور بھی حیرانی کی بات ہے کہ یہ سب کچھ کس جانکاہی اور ہمت سے کیا ہوگا۔ مولانا عبدالحق کیا تھے اور انھوں نے ملک و ملت اور دین کے لیے ہمہ جہت کیا کیا خدمات انجام دیں اس کے تعارف کے لیے اس نمبر کو ایک نظر دیکھ لینا اور آپ کے جاری کردہ دارالعلوم حقانیہ کو دورانِ تعلیم چل پھر کر معائنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اللہ اللہ اخلاص و عمل میں کس قدر برکت ہے۔ اخلاص تو دل میں چھپی ہوئی ایک ایسی دولت کا نام ہے جس کو بڑ کے بیج سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اس کو جب زمین میں بو دیا جائے تو چالیس پچاس برسوں میں اتنا تناور اور گھنی چھاؤں والا درخت وجود میں آجاتا ہے کہ جس کے نیچے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اشخاص آرام کرسکتے ہیں ایسا ہی سایہ دار شجر مولانا عبدالحق کی ذات تھی۔ قربان جائیے اللہ تعالیٰ کے کلام کے کہ اس میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے مثلاً **کلمة طیبة شجرہ طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء**
مثال کلمہ طیبہ کی کہ "مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ بہت مضبوط اور شاخیں آسمان میں۔"

"نمبر" کے شروع میں نوے (۹۰) گرام کے آرٹ پیپر پر سولہ صفحات پر چھبیس رنگ دار تصاویر ہیں جس میں آپ کے آبائی گھر کے کمرہ سے لے کر دارالحدیث، مسجد اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی اکثر رنگین اور چند بلیک اینڈ وائٹ تصویریں ہیں اس کے بعد چند صفحات میں افغانستان کے تمام سربرآوردہ زعماء مثلاً پروفیسر برہان الدین ربانی، حضرت صبغت اللہ مجددی، پروفیسر عبدالرسول سیاف، گلبدین حکمت یار، مولانا محمد یونس خالص، مولانا محمد نبی محمدی، اعجاز الحق اور ہمایوں اختر عبدالرحمان کے پیامات ہیں ازاں بعد حضرت سید نفیس الحسینی نفیس رقم مدظلہ کے قلم معجز رقم سے تحریر کردہ بسم اللہ پورے صفحہ پر اور اگلے صفحہ پر ان کا لکھا ہوا عربی خطبہ، صفحہ نمبر ۳ پر حضرت شیخ الحدیث کا سوادِ تحریر اور صفحہ ۴ پر حضرت کے قلم سے دارالعلوم کے متعلق ابتداء سے ۱۹۷۸ء کے لگ بھگ تک کی مختصر تاریخ ہے اگلا صفحہ سادہ ٹائیٹل ہے سب سے پہلے ٹائٹل چار رنگ کا خط کوفی میں جمیل حسن تلمیذ حضرت سید نفیس رقم کا ہے۔ صفحہ ۷ پر نٹ لائن کے مطابق ماہ نامہ "الحق" کے ۲۸ویں جلد کا یہ چھٹا شمارہ ہے جو رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ مارچ ۱۹۹۳ء کا ہے صفحہ ۷ سے فہرست شروع ہوتی ہے جس کے شروع میں مخدوم و مکرم حضرت مولانا سمیع الحق کے قلم سے نقشِ آغاز اور برادر مکرم مولانا عبدالقیوم حقانی کے قلم سے عرضِ مرتب اور بعد میں ۲۱ ابواب کی فہرست ہے اور ہر باب کے بیسیوں عنوانات ہیں۔ ۲۱ بابوں کے عنوانات یہ ہیں

نقش زندگی، مولد ومنشا محل وقوع وغیرہ کا پس منظر، سیرت و اخلاق، فضل وکمال اور جامعیت، علمی مقام اور محدثانہ جلالت قدر، تقدس و عظمت اور قدرِ جوہر (مختلف شخصیات کے تاثرات) اعتراف و کمال، دارالعلوم حقانیہ تاسیس، تاریخ اور ارتقائی مراحل، قومی وملی اور سیاسی خدمات، شیخ الحدیث اور عالم اسلام، جہادِ افغانستان، شیخ الحدیث اور فرق باطلہ، مکاتیب، افادات، نصاب و نظام تعلیم اور شیخ الحدیث، وزارت تعلیم کو مفید مشورے، تحفظ و اتحاد مدارس، سفرِ آخرت، حضرت کے سانحہ ارتحال پر عالم گیر سوگ الی آخرہ، سانحہ ارتحال پر جرائد واخبارات کے تعزیتی شذرے، شعراء کا منظوم خراجِ عقیدت، الی آخرہ- طویل قصیدہ بنام فتح الصمد بنظم اسماء الاسد الی آخرہ- خوانِ زعفران...... یہ اکیس بابوں کے عنوانات ہیں جن کو ہم نے کسی جگہ مختصر بھی کیا ہے- جیسا کہ گذرا کہ ہر باب کے تحت تیس عنوانات تک بھی مضامین ہیں اس سے اس دفتر کی ایک اجمالی اور مختصر عظمت کا قارئین اندازہ کرسکتے ہیں-

اس فہرست کے بعد حضرت سید نفیس رقم کا رقم کردہ آیت مبارکہ، **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰٓؤ** کا طغری اور اُردو ترجمہ ہے اور صفحہ ۱۵ سے نقشِ آغاز سے مضامین شروع ہوجاتے ہیں-

۱۹۸۵ء کے انتخابات میں میاں چنوں سے میاں ثناء اللہ بودلہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے- میں ان کے پاس گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد گیا ان سے حضرت مولانا کا تذکرہ ہوا آپ نے کہا کہ "جب حضرت مولانا مدظلہ کو ہاسٹل اور اسمبلی میں دیکھتا ہوں تو میری نگاہیں نصف صدی سے پیچھے چلی جاتی ہیں کہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ہاں ایک سرخ و سپید سیاہ ریش نوجوان بعجز و مسکنت کہ جس سے عجیب ملکی نقوش سے ٹپکتے تھے دیکھا- یہاں حضرت مولانا کو دیکھ کر محسوس کرتا ہوں کہ یہ بزرگ وہی ہیں---- عین ممکن ہے کہ حضرت مولانا اپنے تعلیم کے دوران یا دورانِ معلمی تھانہ بھون گئے ہوں اور میاں مرحوم نے ان کو وہاں دیکھا ہو-

کسی شخص کے تبحرِ علمی، علم و فضل، زہد و ریاضت اور جدوجہد و مجاہدہ کا اندازہ اس کی پون صدی پھیلی ہوئی زندگی اور اس کے کارناموں کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے ہم اس کو اب دارالعلوم حقانیہ، اس کے فضلاء اور پھر ان سیکڑوں بلکہ ہزاروں علماء سے لگا سکتے ہیں جو کہ اس شجرہِ طیبہ کے زیرِ سایہ تعلیم حاصل کرکے پوری دنیا میں دینِ حق کی روشنی پھیلا رہے ہیں-

ملک میں اہلِ حق کے بڑے بڑے دینی مدارس اور بھی بہت ہیں کہ جن میں سے کئی ایک اپنی بعض خصوصیات سے بہت منفرد اور ممتاز ہیں- لیکن دارالعلوم حقانیہ انہی خصائص اور منفردانہ امتیاز کے ساتھ ایک سب سے منفرد خصوصی خصوصیت رکھتا ہے- وہ اس کا اور اس کے جید تلامذہ کا جہادِ افغانستان میں حصّہ لینا ہے کہ جس میں اس کے ساتھ عالمِ اسلام کی کوئی جماعت، ادارہ یا شخصیت ادنی مماثلت بھی نہیں رکھتی- حقانیہ کے تلامذہ نے جس جرأت، پامردی اور استقامت کے ساتھ اس پورے دور میں افغانستان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ پوری دنیا میں

روزِ روشن کی طرح واضح ہیں اور یہ تعلیم و تربیت کا کمال ہے جو انھیں حقانیہ اور اس کے بانی و مہتمم قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ سے حاصل ہوا اور اس میں اکوڑہ خٹک کی زمین کی خصوصی حیثیت ہے کہ یہاں سے امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے جہاد کا آغاز کیا تھا اور انہی لوگوں کی معنوی اولاد بانیان دارالعلوم دیوبند اور تحریک ریشمی رومال کے قائد و زعیم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ اسیر مالٹا تھے اور اس تحریک میں بھی اس علاقے سرحد کے ایک نامور فرزند حضرت مولانا عزیر گل رحمہ اللہ کا بہت بڑا حصہ تھا کہ وہ اپنے شیخ کے ساتھ مالٹا میں اسیر فرنگ تھے۔ انہی حضرت شیخ الھند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے مالٹا کے ساتھی اور جانشین حضرت مولانا سید شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تھے کہ جو حضرت قائدِ شریعت حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے سب سے بڑے اور محبوب استاد اور شیخ تھے حضرت نے اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد اکوڑہ خٹک میں "انجمن تعلیم القرآن" کے نام سے ایک اسلامی سکول کی بنیاد رکھی اس کی ابتداہی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور ادارہ کے قیام پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا بعد ازاں اربابِ دارالعلوم دیوبند نے آپ کو تدریس کے لیے مادر علمی میں بلایا اور آپ دارالعلوم میں اپنے اساتذہ کی موجودگی میں وہاں عربی کتب پڑھانے لگے اور یہ زمانہ وہ تھا جب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ مراد آباد جیل میں تھے۔ آپ نے چار سال دارالعلوم میں بڑی کتب پڑھائیں---- ان چار سالوں کے دوران برصغیر اور عالم اسلام کے جتنے طلباء وہاں پڑھتے تھے وہ سب آپ کے شاگرد ہیں ان میں سے سیکڑوں کی تعداد اب پاکستان میں معمر نامور علماء کی ہے اور ان پڑھائی کے دنوں میں آپ کے جوہر مزید اکابر دارالعلوم پر کھلے لیکن قیامِ پاکستان کے عمل میں آنے کے بعد گو حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے آپ کو بلایا لیکن آپ نے یہ سوچتے ہوئے کہ اب پاکستان میں بھی دارالعلوم کے طرز پر کام کرنے کا آغاز ہونا چاہیے اور آپ نے توکلا علی اللہ پہلے ایک اور نام سے اور پھر دارالعلوم حقانیہ کا اجرا عمل میں لایا گیا پہلے یہ مدرسہ شہر کی مسجد میں قائم کیا گیا طلبہ زیادہ ہونے پر موجودہ جگہ لایا گیا اور اس میں ضرورت کے مطابق توسیع ہوتی رہی لیکن آپ نے اپنی رہائش پرانے گھر میں رکھی۔

ابتداء میں ابواب کے عنوانات کی تعداد اور تفصیل لکھی ہے اس سے نمبر کی جامعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اچھا خاصا اور مستند مواد آپ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق صاحب کی یادداشتیں ہیں کہ جن کو وہ وقتاً فوقتاً لکھتے رہے ہیں۔ قومی اسمبلی اور شوریٰ میں اسلامی شریعت کے متعلق قراردادوں، تقریروں بلوں اور تحریک التواؤں کا سب سے زیادہ حصہ ہے بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس بارے میں کسی فرد یا جماعت کا عشر عشیر بھی اس میں حصہ نہیں تو بجا ہوگا اس میں کسی کی نیک کوشش کو کم کرنا نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ کا اظہار ہے----

☆☆☆

سرحد کے علماء میں ایک بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ معقولات، فلسفہ، منطق، ادب و معانی کی چھوٹی بڑی کتب کو بہت توجہ سے پڑھتے کہ اس سے ذہن جلا پاتا اور متقدمین اور اسلام کے وسطانی دور کی لکھی ہوئی کتب کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے بھی معقولات کی کتب مختلف جگہوں سے پڑھیں لیکن ان کو مقاصد کا درجہ نہ دیا بلکہ اسباب کا دیا اور اصل کتاب وسُنّت اور فقہ حنفی رہی اور اس میں آپ نے کمال حاصل کیا اور پھر جب آپ نے خود معلم کی حیثیت سے کام شروع کیا تو آپ کے لیے ہر نوع کی کتب کا پڑھانا بہت آسان رہا۔ اور آپ کی شخصیت جامع البحرین بنی جمعہ اور عید کو اور علاقہ میں کسی اور اجتماع پر وعظ بھی فرماتے جو اکثر اُردو میں ہوتا اور آپ کے یہ مواعظ "دعواتِ حق" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں ان مواعظ کی پہلی جلد ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ان دنوں ماہ نامہ "الرشید" کے "دارالعلوم دیوبند نمبر" کی تقریب رونمائی کی تیاری تھی۔ اور حضرت مولانا سمیع الحق اور ان کے ساتھی اور اب داماد جناب شفیق الدین فاروقی صاحب "دعوات حق" شائع کرانے کے لیے لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور یہ مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک کی جانب سے پہلی کتاب تھی پھر تو دیکھتے ہی دیکھتے کتابوں کی قطار لگ گئی یا ڈھیر لگ گیا جس میں ایک بہت اہم کتاب "حقائق السنن" ہے جو حدیث شریف کی مشہور کتاب "ترمذی شریف کی شرح ہے اس کے علاوہ حضرت مولانا کی دستور ساز اسمبلی اور قومی اسمبلی میں کی گئی تقریروں، تحاریکِ التوء وغیرہ کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے گویا دارالعلوم حقانیہ کے اندر ایک اور ادارہ مؤتمر المصنفین ہے۔ ایسے ہی ماہ نامہ "الحق" ہے یہ بھی مستقل ایک ادارہ ہے یہ ماہ نامہ ۲۸ سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے اور برصغیر کے دینی اور علمی پرچوں میں اس کا شمار ہوتا ہے آج کل اس کی ساری ترتیب، ادارت نوجوان فاضل مخدوم و محترم مولانا عبدالقیوم حقانی کے ذمہ ہے کہ حضرت مولانا سمیع الحق کی اہتمام کی ذمہ داریاں --- علاقہ کے لوگوں سے ملک کے سیاسی زعماء سے اور پھر سینٹ کی ممبری کی ذمہ داریاں ایسی ہیں کہ ان کو سر کھجانے کی محاورۃً نہیں فی الواقعہ فرصت نہیں ---- اور ماہ نامہ "الحق" کا شمارہ نمبر ۶ جلد ۲۸ "شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر" ہے جس کو شمارہ کہنا عجیب سا لگتا تھا۔ ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل بڑی تقطیع یہ شمارہ تو نہیں دفتر ہے یہ نمبر کسی میرے جیسے کم سواد کم علم کی تعریف و تبصرہ سے بے نیاز ہے حق یہ ہے کہ اس کا حق دیکھنے پڑھنے اور اس کے کثیر المطالب مضامین میں ہے۔

اساتذہ، ہم عصر مشائخ وعلماء، تلامذہ، ملک کی اہم شخصیات اور غیر ملکی سر بر آوردہ مہمان علماء اور دیگر حضرات کی تحریروں سے مزین نمبر یہ حق رکھتا ہے کہ اس کا شمارہ اہم علمی دستاویزات میں ہو۔

اس "نمبر" میں ویسے تو تمام مضامین ہی مستقل حیثیت رکھتے ہیں کہ جن کی مدد سے کئی ایک کتب تیار کی جا سکتی ہیں تاہم حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی استاد الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کا ۱۸۹ اشعار کا عربی میں حضرت مولانا

کے متعلق قصیدہ عجیب و غریب اور نادر شاہکار ہے۔ حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ دیکھنے میں اگرچہ بہت نرم و نازک سبک خرام اور بات چیت میں بہت ہی متواضع تھے لیکن ان کے تلامذہ نے جہادِ افغانستان میں جو اللہ کے شیروں ایسا کام کیا غالباً اس نسبت سے حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی مدظلہ نے اپنے قصیدے میں "شیر" کا لفظ عربی میں ۶۰۰ مختلف ناموں سے استعمال کیا ہے کہ شیر کے عربی میں اتنے ہی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ نام ہیں۔ لیکن ہر نام کا استعمال حضرت مولانا کے لیے نہیں کیا کہ شیر کی مختلف حالتیں ہیں درندگی، خونخواری بھی صفت ہے اور بہادری اور شجاعت بھی لہذا شیر کے جو عربی معنی اچھی شہرت میں استعمال ہوئے ہیں وہاں وہ حضرت مولانا کے لیے ہیں اور جہاں مذموم معنوں میں ہیں وہاں وہ حاسدین اور مخالفین کے لیے ہیں۔ یہ قصیدہ حضرت سید نفیس رقم مدظلہ کے تلمیذ محمد جمیل حسن سلمہ نے کتابت کیا ہے ساتھ اُردو ترجمہ اور مشکل الفاظ کی تشریح و توضیح ہے۔ شیر کی کھال نرم و نازک اور بالوں کا دراز اور خوبصورت ہوتا شاید حضرت مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت پر موزوں آتا ہے۔ بہرحال اس قصیدے کی داد نہیں دی جاسکتی اور پھر مجھ جیسا کم علم تو اس کو سمجھنے سے عاری ہے البتہ تشریح اور ترجمہ سے کچھ اندازہ ہوتا ہے اہلِ علم جو عربی دان ہیں وہ اس کی قدر جان سکتے ہیں۔

المختصر یہ نمبر اپنی جامعیت اور حضرت کی شخصیت اور دارالعلوم کی حقانیت پر (حقیقی اور مجازی معنوں میں) بہت عمدہ دستاویز ہے۔

کچھ نقد و جرح ---- "نمبر" میں بعض باتیں کھٹکتی ہیں ایک تو یہ کہ کئی جگہ سنین کی جگہ خالی ہے سن درج نہیں۔ کتابت اور حروف خوانی کی طرف جتنا بڑا "نمبر" ہے اتنی توجہ نہیں دی جاسکی اور اس کی وجہ شائد مولانا عبدالقیوم کا اتنے ضخیم و عظیم "نمبر" کو اکیلے مرتب کرنا ہے۔ ایک چیز جو بہت محسوس ہوتی ہے وہ مضامین کے بقیہ جات ہیں۔ بہت مضامین ایسے ہیں کہ جو کسی صفحہ پر مکمل نہیں ہوتے بلکہ ان کا بقیہ دوسری جگہ چلا گیا ہے اتنے بڑے "نمبر" میں یہ عیب ہے مضامین مسلسل ہوتے تو "نمبر" کو چار چاند لگ جاتے ایسا ممکن تھا کہ اگر صفحہ میں کوئی جگہ رہتی دکھائی دیتی تو وہاں کوئی طغری آپ کی کوئی علمی حکایت، منقبت صحابہؓ، علم و عمل کی شان میں کوئی نظم رباعی، یا قطعہ آجاتا---- خیر یہ ایک ضمنی سی چیز ہے اصل چیز نمبر کا تنوع اور جامعیت ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق، مولانا عبدالقیوم حقانی اور تمام حصہ لینے والے اراکین تبریک کے مستحق ہیں۔

"نمبر" کی قیمت کم بلکہ بہت ہی کم ہے بازار میں آج کل اس سائز سے نصف سائز کی کتب کی قیمت فی صفحہ ایک روپیہ رکھی جارہی ہے ایسے دور میں بڑی تقطیع کے بارہ سو (۱۲۰۰) صفحات کی قیمت صرف تین صد روپے ہے جو کچھ بھی نہیں۔

❖❖❖

سنکارا

صحّت کا سرچشمہ

ہر گھر کے لیے گھر بھر کے لیے

ہمدرد کا نصب العین تعمیرِ صحت ہے۔ بیماریوں سے پاک تندرست معاشرے کے قیام کے لیے ہمدرد نے ہمیشہ اپنی جد وجہد جاری رکھی ہے۔ آج بھی، جب غذا میں عدم توازن اور فضا میں آلودگی کے باعث اِنسان کی قوتِ مدافعت متاثر ہو رہی ہے اور زندگی کی تیز رفتاری کے سبب جسمانی توانائی میں کمی کی شکایت عام ہے، ہمدرد اپنی روایت برقرار رکھتے ہوئے توانائی فوراً حاصل کرنے کے لیے نباتی و معدنی مرکب سنکارا پیش کرتا ہے۔

سنکارا صحت بخش مجرب جڑی بوٹیوں اور منتخب معدنی اجزا سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت موثر نباتی و معدنی مرکب ہے جو تیزی سے توانائی بحال کرتا ہے اور صحت برقرار رکھتا ہے۔

ہر موسم میں ہر عمر کے لیے یکساں مفید **سنکارا** نباتی و معدنی مرکب — جو زندگی کو ایک ولولۂ تازہ عطا کرتا ہے

برشیر یوریا کی خصوصیات

★ ہر قسم کی فصلات کے لئے کار آمد۔ گندم، چاول، مکی، کماد، تمباکو، کپاس اور ہر قسم کی سبزیات، چارہ اور پھلوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

★ اس میں نائٹروجن ۴۶ فیصد ہے جو باقی تمام نائٹروجنی کھادوں سے فزوں تر ہے۔ یہ خوبی اس کی قیمت خرید اور بار برداری کے اخراجات کو کم سے کم کر دیتی ہے۔

★ دانہ دار (پرلڈ) شکل میں دستیاب ہے جو کھیت میں چھٹہ دینے کے لئے نہایت موزوں ہے۔

★ فاسفورس اور پوٹاش کھادوں کے ساتھ ملا کر چھٹہ دینے کے لئے نہایت موزوں ہے۔

★ ملک کی ہر منڈی اور بیشتر مواضعات میں داؤد ڈیلروں سے دستیاب ہے۔

داؤد کارپوریشن لمیٹڈ

(شعبۂ زراعت)

الفلاح ۔ لاہور

فون نمبر ـــ 57876 ـــ سے ـــ 57879

REGD. NO. P-90
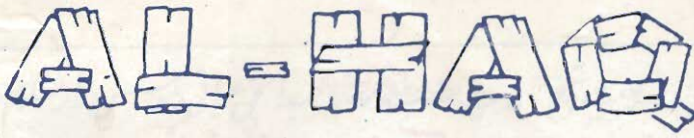
فرمانِ رسول..

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمّت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہؐ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلات موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی - باب علامات الساعۃ)